چاند کی دھوپ

چاند کی دھوپ

حمایت علی شاعر

راہِ مضمونِ تازہ بند نہیں
تا قیامت کھلا ہے بابِ سخن
ولؔی دکنی

اپنی شریک حیات

معراج نسیم

کے نام

جو میری دوست بھی ہے میری ہم خیال بھی ہے

حمایت علی شاعر

Himayat Ali Shair
C.B.45,Al-Falah Society
Shah Faisal Colony, Karachi-75230 Pakistan.
Ph: 92-21-4571322

تازہ ایڈیشن	2007ء
اہتمام	اوجِ کمال
کمپوزنگ	محمد شہزاد شفیق
قیمت	200 روپے

زیر اہتمام

ماہنامہ دنیائے ادب کراچی

6،623فلور، ریگل ٹریڈ اسکوائر ریگل چوک، صدر۔ کراچی74400

Ph: 92-21-8480816 / 0212018365

Cell: 0300-2797271 E-mail: dunyaeadab@yahoo.com

ترتیب

تشنگی کا سفر　　　　حمایت علی شاعر

شعلۂ بے دود
بنگال سے کوریا تک
بدلتے زاویے
شکست کی آواز

فکرِ معاش کھا گئی دل کی ہر اِک اُمنگ کو
جائیں تو لے کے جائیں کیا حُسن کی بارگاہ میں
حمایت علی شاعر

تشنگی کا سفر

'تشنگی کا سفر' میری طویل افسانوی اور تمثیلی نظموں کا مجموعہ ہے۔ یہ نظمیں میں نے ۵۲ء سے ۶۳ء کے دوران لکھی تھیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب میں ریڈیو پاکستان سے متعلق تھا اور بہ یک وقت کئی شعبوں میں کام کرتا تھا۔ صداکاری (اناؤنسر یکنٹر یٹر، نیوز ریڈیو اور ڈرامہ آرٹسٹ) مسودہ نگاری (نغمات، گیت، غنائیے، ڈرامے، فیچر اور تقاریر لکھنا) پروڈکشن (مختلف پروگراموں کی پیش کش وغیرہ) یہ ملازمت سالانہ کانٹریکٹ کی بنیاد پر ہوتی اور جن ادیبوں، شاعروں اور فنکاروں کو اس زمرے میں شامل کیا جاتا انہیں ریڈیو کی اصطلاح میں 'اسٹاف آرٹسٹ' کہا جاتا جن دنوں میں نے یہ ملازمت اختیار کی ان دنوں کراچی ریڈیو پر احمد فراز، سلیم احمد اور عبدالماجد سے لے کر چراغ حسن حسرت، بہزاد لکھنوی اور رفیع پیرزادہ تک سبھی اسٹاف آرٹسٹ ہوتے تھے میں چونکہ ہندوستان میں بھی نشریات کا تجربہ رکھتا تھا اس لیے مجھے فوری یہ ملازمت مل گئی مگر اسے میری طبیعت کی سیمابیت کہیے کہ نوجوانی کے باغیانہ جذبات۔۔۔ میں افسران بالا کی مستقل خوشنودی حاصل نہ کر پاتا اور کسی نہ کسی بہانے میری ملازمت ختم ہو جاتی۔ پھر عارضی طور پر میں کبھی انجمن ترقی اردو میں کام کرتا یا کسی اخبار میں۔۔۔ اور پھر کسی کرم فرما کی توجہ سے مجھے دوبارہ ریڈیو کا کانٹریکٹ مل جاتا۔ میری زندگی میں یہ واقعات چونکہ نئے نہیں تھے اس لیے مجھے چنداں فکر بھی نہ ہوتی۔ شاید کچھ بزرگوں اور دوستوں کو یاد ہو کہ ۱۹۵۰ء میں آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد سے بلا سبب یکا یک ملازمت ختم ہو جانے اور کوئی ذریعہ معاش نہ ہونے کی وجہ سے میں نے اخبار فروشی بھی کی

تھی۔ مگر یہ وہ دور تھا کہ ایک خاص ذہنی ہم آہنگی کی وجہ سے دور دراز رہنے والے ادیب بھی ایک دوسرے سے بہت قریب ہوتے تھے۔ چنانچہ میری زندگی کے اس معمولی واقعہ پر جب قمر ساحری اور وہاب حیدر نے احتجاج کیا تو نہ صرف دکن کے ادیبوں اور صحافیوں نے آواز اٹھائی بلکہ مرزا ادیب نے 'ادبِ لطیف' (لاہور) میں، فکر تونسوی اور نریش کمار شاد نے 'نقوش' (جالندھر) میں، ساحر لدھیانوی اور پرکاش پنڈت نے 'شاہراہ' (دہلی) میں اور عادل رشید، کیفی اعظمی اور خواجہ احمد عباس نے 'سلطان شاہد' 'نئی زندگی' 'بلٹز' اور 'کراس روڈس' (بمبئی) میں متواتر احتجاجی کالم لکھے۔ یہی نہیں بلکہ حیدرآباد دکن کے ایک صحافی اور میرے بچپن کے دوست ممتاز اختر نے تمام احتجاجی تحریروں کو جمع کر کے اپنے ہفتہ وار 'پرواز' کا ایک نمبر بھی شائع کر دیا۔ ظاہر ہے کہ ایسے ماحول میں نہ صرف اپنے مسائل سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ بڑھتا بلکہ دوسروں کے مسائل میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی آرزو بیدار رہتی۔

کراچی میں ہر چند ایسی فضا نہیں تھی مگر چند ہم خیال دوستوں کی رفاقت دل میں ایک امنگ ضرور پیدا کیے رہتی چنانچہ کراچی میں جب کبھی مجھ پر ایسی افتاد پڑی، میں حوصلہ مندی کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرتا رہا۔ یہاں میں نے زندگی اس عالم میں شروع کی تھی کہ جسم پر تن کے کپڑوں اور رہنے کیلئے ایک جھونپڑی کے سوا کچھ نہ تھا۔ کراچی کی لمبی لمبی سڑکوں پر اکثر پیدل گھومتا اور بھٹیار خانوں میں ایک یا دو وقت کھانا کھاتا۔ کبھی کبھی فاقے بھی کرنا پڑتے۔ اپنے کپڑے خود دھوتا اور اکثر بغیر استری کے پہن لیتا۔ ظاہر ہے کہ ایسے عالم میں شہر کے سفید پوشوں کے درمیان میرا گزر ممکن نہ تھا۔ ریڈیو کے افسران بالا بھی ایک نظر دیکھ کر منہ پھیر لیتے تھے۔ اس کا ردعمل میری اس دور کی شاعری میں موجود ہے۔ دل میں باغیانہ جذبات سلگتے رہتے اور میں انہیں اپنے اشعار میں منتقل کر کے اپنی دانست میں یہ سمجھ لیتا کہ میں نے انقلاب کے لیے زمین ہموار کر لی۔ دراصل یہ نوجوانی کی رومانوی سوچ تھی جو مجھے خوش فہمی میں مبتلا کر کے مطمئن ہو جایا کرتی تھی۔

اس دور کی زندگی کا ایک واقعہ سناؤں جس نے میرے اندر ایک نئے احساس کو جنم دیا۔ میری بیوی شہر کے ایک اسکول میں ادیب فاضل کا امتحان دے رہی تھی اور میں اپنی بیٹی جاوداں اور بیٹے روشن خیال کو لیے صدر کی سڑکوں پر ان کا دل بہلا رہا تھا۔ فٹ پاتھ پر کسی دوکان میں کوئی چیز دیکھ کر روشن خیال مچل گیا۔ میں دوکان دار سے بات کرنے لگا اور جاوداں میری انگلی چھوڑ کر کچھ آگے نکل گئی۔ جیسے ہی مجھے خیال آیا تو میں نے دیکھا کہ وہ تھوڑے سے فاصلے پر سڑک کے کنارے کھڑی ہوئی ایک کار کو دیکھنے میں مصروف ہے۔ کار میں کچھ پیارے پیارے بچے بیٹھے ہوئے تھے اور جاوداں ہچکچائی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی میں قریب گیا تو وہ مجھ سے کہنے لگی۔

’ابو۔۔۔ یہ بڑے لوگ ہیں نا؟‘

جاوداں کا یہ فقرہ مجھے تیر کی طرح لگا۔ میں نے اسے احساس کمتری سے نکالنے کے لیے کہا۔ ’نہیں بیٹی۔۔۔ یہ بچے بھی تمہاری طرح ہیں چلو، ان سے باتیں کرو‘

جیسے ہی میں جاوداں کو لے کر ان بچوں کی طرف بڑھا۔ بچے ڈر گئے اور جلدی سے کار کا شیشہ چڑھا لیا۔ شاید میری ہیئت ایسی ہو مگر مجھے اس کا احساس نہیں تھا۔ میں نے ان بچوں سے اپنی بیٹی کا تعارف کرانا چاہا وہ سہمی سہمی نظروں سے مجھے دیکھتے رہے اور ابھی میں ان سے مخاطب ہی تھا کہ بچوں کے والدین آ گئے اور صاحب نے تشویش اور حقارت سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ’کون ہے تو۔۔۔ یہاں کیا کر رہا ہے؟‘

مجھے غصہ آ گیا، مگر میں نے ضبط کرتے ہوئے جواب دیا۔

’جناب۔۔۔ میری بچی آپ کے بچوں کو دیکھ کر احساس کمتری میں مبتلا ہو رہی تھی۔ میں نے چاہا کہ ان کا آپس میں تعارف کرا دوں۔۔۔ تا کہ۔۔۔‘

ابھی میں جملہ مکمل بھی نہ کر پایا تھا کہ وہ کار میں بیٹھ گئے اور غصے اور نفرت سے میری طرف دیکھتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

جاوداں نے میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا اور میں دل ہی دل میں تلملا کر رہ گیا۔ وہ سوالیہ نظریں اور کار کے اسٹارٹ ہونے کی آواز عرصے تک میری آنکھوں میں چمکتی اور میرے کانوں میں گونجتی رہی اور میں نے طئے کر لیا کہ اپنے بچوں کو اس احساس میں مبتلا نہیں ہونے دوں گا جس نے میری رگوں میں زہر بھر دیا ہے۔ اب سوچتا ہوں تو مجھے اپنے اس ارادے میں خود غرضی کا جذبہ بھی شامل نظر آتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں صبح و شام ایسے کتنے دل شکن واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ ان کے بارے میں ہمارے سوچنے کا انداز ہمدردانہ سہی مگر قدرے رسمی ہوتا ہے اور ہم عملاً اس کے لیے کوئی قدم نہیں اٹھاتے۔ شاید ہمارے انفرادی عمل سے معاشرے کے یہ مسائل حل بھی نہ ہوں۔ اس کے لیے تو اجتماعی عمل کی ایک مستقل تحریک چاہیے جس کا شعور ابھی ہمارے عوام میں نہیں۔

کراچی ویسے بھی تجارتی شہر ہے اور زیادہ تر ان لوگوں سے آباد ہے جن کا رشتہ زمین سے ٹوٹ چکا ہے۔ زمین سے رشتہ ٹوٹ جانے سے بہت سی اقدار بھی ٹوٹ جاتی ہیں اور معاشی بنیادوں کی ناہمواری انسان کو خود غرض بنانے لگتی ہیں۔ ایسے عالم میں اگر سیاسی حالات بھی متوازن نہ ہوں تو معاشرہ ایک ہمہ گیر بے چینی کا شکار ہو جاتا ہے اور اٹل حقیقتوں پر اس کا تعین کمزور پڑنے لگتا ہے۔ ’ایسی صورت میں صرف تہذیب اور تاریخ ہی انسان کا سہارا بنتی ہے اور جب یہ سہارا بھی باقی نہ رہے تو انسان اپنی ذات میں محدود تر ہونے لگتا ہے اور زندگی علاقائی اور خاندانی حدود میں سمٹنے لگتی ہے۔ کراچی کے مختلف محلوں کے نام خود اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہ شہر کتنے خانوں میں تقسیم ہے۔ اس کا تشخص اپنی اکائی کھوتا جا رہا ہے اور تہذیبی وحدت نہ ہونے کی وجہ سے مختلف اکائیاں صرف تجارتی رشتوں میں منسلک ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ رشتے سود و زیاں کی بنیاد قائم ہوتے ہیں اور ضروریات کے سچے دھاگوں میں بندھے رہتے ہیں۔

دنیا کے ہر تجارتی شہر میں رشتوں کی نوعیت یہی ہوتی ہے مگر ایسا شہر جو نو آبادکاروں سے

آباد ہو' وادیِ سینا' کی مثال ہو جاتا ہے کہ قوم تو امت موسیٰ کہلاتی ہے اور پوجا کرتی ہے سامری کے 'گوسالہ' کی۔ جسے دیکھیے دولت کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ کراچی کا المیہ بھی یہی ہے۔

ایسے شہر میں متوسط طبقہ بڑی الجھن میں مبتلا رہتا ہے۔ وہ 'دو پاٹن کے بیچ' دھیرے دھیرے پستا چلا جاتا ہے اور غیر محسوس طور پر ایک دن اپنا تشخص کھو بیٹھتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اس تہذیب میں بھی ضم ہونے سے رہ جاتا ہے جو اس کا رشتہ نئی سرزمین سے جوڑ سکے۔ مجھ ایسے آدمی کے لیے کراچی میں اک اور بھی مسئلہ تھا۔۔۔ اور وہ یہ کہ تجارتی ماحول کی گہما گہمی اور نفسی نفسی سے دل گھبرانے لگے تو کہاں جاؤں؟ بمبئی میں جب کبھی یہ وحشت دل کا بوجھ بنتی تو بھاگ کر اورنگ آباد چلا جاتا تھا اور وہاں کی محدود اور خاموش فضا میں کچھ دن سکون کے سانس لے لیتا مگر یہاں مضافات سے کوئی ایسا تعلق نہ تھا۔ چنانچہ جب حیدرآباد سندھ میں ریڈیو اسٹیشن کھلنے کی نوید ملی تو میں پہلا شخص تھا جس نے ٹرانسفر کی درخواست دے دی اور ۱۹۵۵ء میں حیدرآباد آ گیا۔

حیدرآباد میں مجھے اپنی صلاحیتوں کو فروغ دینے کا اچھا موقع ملا۔ ریڈیو اور شہر کے ادیبوں میں ایسی یگانگت تھی کہ ہمارا ماحول ادبی محفلوں سے جگمگاتا رہتا۔ مجھے بھی گویا ایک نئی زندگی ملی تھی۔ میں بھی ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا۔

وہ دور، لکھنے پڑھنے کے اعتبار سے میری زندگی کا اہم ترین دور تھا۔ میں نے اس دور میں نہ صرف شعر کہے بلکہ متعدد منظوم اور منثور ڈرامے بھی لکھے۔ ارژنگ کے تحت مختلف ثقافتی خدمات بھی سرانجام دیں۔ دوماہی رسالہ 'شعور' بھی شائع کیا۔ 'آگ میں پھول' کی اشاعت پر بھی اسی دوران توجہ دی اور سب سے اہم کام یہ کیا کہ اپنی ادھوری تعلیم مکمل کر لی۔ کچھ عرصے سچل کالج میں پڑھایا اور استاد مکرم ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کی نگرانی میں پی ایچ ڈی کے لیے اپنا تحقیقی مقالہ لکھنا شروع کر دیا۔ مگر اسے زندگی کی ستم ظریفی کہیے کہ اپنے عہد کا جبر کہ معاشی مسائل نے پھر مجھے اپنے دام میں الجھا لیا اور میں نے فلموں میں نغمہ نگاری شروع کر دی۔

فلم انڈسٹری میں جانے والا ہر سنجیدہ آدمی کچھ تعمیری عزائم بھی ساتھ لیکر جاتا ہے اور اپنی دانست میں یہ سمجھتا ہے کہ وہ کسی تبدیلی کا عنوان بن جائے گا چنانچہ میں نے بھی نغمہ نگاری اور مکالمہ نویسی سے لے کر فلمسازی اور ہدایت کاری تک ہر شعبہ فلم کو نہایت سنجیدگی سے اپنایا اور اپنے حدود میں روایت سے کسی حد تک مختلف کام بھی انجام دیئے ان خدمات کا صلہ مجھے کچھ ایوارڈز کی صورت بھی ملا مگر رفتہ رفتہ مجھے محسوس ہونے لگا کہ میں جو کچھ پا رہا ہوں، اس سے زیادہ کھو بھی رہا ہوں۔

ٹھہرے ہوئے پانی میں پتھر پھینکنے سے کچھ لہریں ضرور پیدا ہو جاتی ہیں مگر کوئی ایسا تموج پیدا نہیں ہوتا کہ پانی کا رخ بدل جائے۔۔۔ پاکستان کی فلم انڈسٹری میں ہم چند خوش فہم لوگوں کی شمولیت بھی اسی مثال کے مصداق تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لاحاصل سے زیادہ حاصل کا غم میری روح کا المیہ بن گیا۔

روٹی کے لیے طاق پہ رکھ دوں گا کتابیں
جینا مجھے اس طرح گوارا تو نہیں تھا

لٹا دیا ہے غمِ آب و تاب میں کیا کیا
وگرنہ خواب تھے چشمِ پُر آب میں کیا کیا

روشنی کے زاویوں پر منحصر ہے زندگی
آپ کے بس میں نہیں ہے آپ کا سایہ یہاں

یہ اور اس قسم کے بہت سے شعر اسی دور کی یادگار ہیں۔ جیسا کہ میں نے 'آگ میں پھول' کے دوسرے ایڈیشن کے دیباچے میں لکھا ہے۔

'سچ پوچھیے تو عمر کے یہ سنہری سال میں نے ایک ایسے برزخ میں کاٹے جس

کے بعد حقیقی ادبی زندگی کی آس ایک موہوم خوش فہمی اور خود فریبی سے زیادہ نہ تھی اور جیسا کہ میں نے عرض کیا مجھے اس زیاں کا احساس بھی تھا مگر یہی سوچ کے خاموش ہو رہتا کہ وقت نے یہ سنگین مذاق صرف میرے ساتھ تو نہیں کیا ہے۔ تاریخ میں میرے جیسے کتنے شاعر و ادیب اپنے حالات سے مجبور ہو کر بازار میں جا بیٹھے، چاہے وہ بازار کسی بادشاہ کے دربار میں لگا ہو یا فلمی دنیا کے مصنوعی محل دو محلوں میں۔

'میں سوچتا کہ اس جال سے نکل بھاگوں مگر جس زمین پر یہ جال بچھا ہوا تھا وہ ایک دلدل سے کم نہ تھی۔ میری ہر کوشش مجھے کچھ اور زمین میں اتار دیتی۔ ایسے عالم میں علم و ادب کے خواب طوفان سے ساحل کا نظارہ کرنے کے مترادف ہوتے اور میں ایک کربناک حسرت کے ساتھ آنکھیں بند کر لیتا'

'مٹی کا قرض' کی ترتیب کے دوران میں اسی کرب میں مبتلا تھا۔ میری آخری فلم 'گڑیا' ادھوری تھی اور میرے دل میں فلم انڈسٹری چھوڑ دینے کا ارادہ تکمیل کو پہنچ چکا تھا۔ ان دنوں کی ایک 'غزل'۔

پندارِ یوسفی سہی، پندار ہی تو ہے
بازار کی یہ شئے سرِ بازار ہی تو ہے

میرے اندرونی خلجان اور میرے غم و غصہ کا آخری اظہار ہے۔

میں بھی انا پرست ہوں اقرار کیا کروں
میرے لبوں پہ آج بھی انکار ہی تو ہے

(مٹی کا قرض)

اور میں اپنی فلم ادھوری چھوڑ کے فلم انڈسٹری سے باہر آ گیا اور پھر تلاش معاش میں سرگرداں ہو گیا۔ کبھی ٹیلیویژن اور کبھی مختلف کانٹریکٹ۔۔۔ جن میں نیشنل سیونگس کے نغموں سے

لے کر طباعت کے ٹھیکے تک شامل تھے۔

زندگی کی اس طویل، متنوع اور مسلسل جدوجہد میں میں نے کیا کھویا اور کیا پایا؟ اس کا مختصر تجزیہ یہ ہے کہ میں تو اپنی ذات میں ادھورا رہ گیا مگر اپنے بچوں کو۔۔۔ تکمیل ذات کی خاطر۔۔۔ اعلیٰ تعلیم دلا دی۔ اب دیکھیئے ان کی زندگی انہیں کس منزل تک پہنچاتی ہے۔ میرے چار بیٹے ہیں اور چار بیٹیاں۔ (تازہ ایڈیشن کی اشاعت تک تمام بچے نہ صرف اعلیٰ تعلیم یافتہ ہو گئے بلکہ اپنی عملی زندگی میں آ کر اپنے بچوں کو بھی اعلیٰ تعلیم دلوا چکے ہیں) ظاہر ہے کہ یہ کامیابیاں میری تنہا کوششوں کا حاصل نہیں، میری ہر کامیابی میں حقیقی اعزاز کی مستحق میری شریکِ حیات ہے جس نے زندگی کے کٹھن سے کٹھن مرحلے میں مسکراتے ہوئے میرا ساتھ دیا اور مثالی انداز میں اپنے بچوں کی تربیت کی۔ اس پہلو سے میں جب بھی اپنے بارے میں سوچتا ہوں تو کچھ دیر کے لیے اپنی ذات کے تشنۂ تکمیل رہ جانے کا غم بھی بھول جاتا ہوں اور اپنے بچوں میں اپنی ذات کو بٹا ہوا دیکھ کر یوں خوش ہو لیتا ہوں کہ۔

میں اِک اکائی کے مانند ہر عدد میں ہوں

(ہارون کی آواز)

یا جیسا کہ میں نے اپنی بیٹی جاوداں میر پر لکھی ہوئی نظم میں کہا ہے۔

نئے خدوخال سے ہمارے جسد کی تشکیل ہو رہی ہے
ادھورا پن ختم ہو رہا ہے، ہماری تکمیل ہو رہی ہے

(آگ میں پھول)

بادی النظر میں اسے بھی خود فریبی کا اک بہانہ کہیے ورنہ حقیقت بہر حال اپنی جگہ ایک المیہ ہے کہ معاشی وسائل کے بہ آسانی بہم نہ ہونے کی وجہ سے کتنی ہی شخصیتیں ادھوری رہ جاتی ہیں کتنے لوگ اپنے اصلی چہرے کھو بیٹھتے ہیں اور ساری زندگی مصنوعی چہرے لگائے پھرتے ہیں۔ خدا

کا شکر ہے کہ میں زندگی کے ہاتھوں ایسا کھلونا نہیں بنا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ جہاں بنی کے ساتھ میں نے ہمیشہ خود بنی کو بھی مقدم سمجھا ہے اسی عمل نے مجھے نامکمل رہ جانے کا احساس دیا اور اسی عمل نے میرے اندر تکمیل کی لگن کو ابھی تک تازہ رکھا ہے۔

'تشنگی کا سفر' میری زندگی کا بھی استعارہ ہے اور میری شاعری کا بھی۔ شاعری میں نظم، غزل اور ثلاثی کے علاوہ طویل نظمیں اور منظوم اور نثری ڈرامے بھی میرے تخلیقی اضطراب کے ضامن ہیں یہ اور بات کہ اپنی بیشتر تخلیقات پر میں عرصہ دراز تک نظر ثانی کر سکا نہ انہیں طباعت کے لیے دے سکا۔ اب اس طرف توجہ کی تو اپنی 'مجرمانہ غفلت' کا احساس ہوا۔

فی الحال جو کتابیں مرتب کی ہیں ان میں 'آگ میں پھول' اور 'تشنگی کا سفر' ایک ساتھ طبع ہو رہی ہیں۔ دوسری کتابیں بھی انشاءاللہ جلد ہی منظر عام پر آ جائیں گی۔ 'تشنگی کا سفر' دو تمثیلی اور دو افسانوی نظموں پر مشتمل ہے۔ ان تمثیلی نظموں میں بدلتے زاویئے (غنائی تمثیلی نظم) ۵۷ء یا ۵۸ء میں لکھی گئی تھی اور انہیں دنوں ریڈیو پاکستان حیدر آباد سے (قدرے ترمیم کے ساتھ) نشر بھی ہوئی لیکن ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔

'شکست کی آواز' (تمثیلی نظم) ۱۹۶۲ء میں لکھی گئی تھی اور 'فریب آگہی' کے نام سے دو تین بار نشر ہو چکی ہے۔ اشاعت کے لیے دیتے وقت جب میں نے اس پر نظر ثانی کی تو اس کا عنوان بدل دیا چنانچہ ۱۹۶۵ء میں یہ نظم 'شکست کی آواز' کے عنوان سے 'فنون' میں شائع ہوئی۔ اس تمثیلی نظم کا بنیادی خیال ایک فرانسیسی ادیب 'مارسل بائنل' کی کہانی سے ماخوذ ہے۔

افسانوی نظمیں 'شعلۂ بے دور' اور 'بنگال سے کوریا تک'۔۔۔ 'آگ میں پھول' کے پہلے ایڈیشن ۱۹۵۶ء میں شامل تھیں۔ دوسرے ایڈیشن سے یہ نظمیں نکال کر میں نے طویل نظموں کے اس مجموعے میں شامل کر دی ہیں۔ 'شعلۂ بے دور' ۵۶ء میں لکھی گئی تھی اور اسی سال 'ادب لطیف' کے کسی شمارے میں شائع ہوئی۔

'بنگال سے کوریا تک' ۵۲ء اور ۵۴ء کے دوران لکھی گئی اور اس کے مختلف حصے برگ گل (۵۲ء) مشرب (۵۳ء) روح ادب (۵۳ء) سیارہ (۵۳ء) اور نیا دور وغیرہ میں شائع ہوتے رہے۔ بعد ازاں پوری نظم وامق جونپوری کے زیر ادارت 'شاہراہ' (دہلی) کے شمارہ نمبر ۳ (بسلسلۂ سالنامہ) مارچ ۵۴ء میں شائع ہوئی۔ پھر یہی نظم ۱۹۶۲ء میں ساہتیہ اکیڈیمی حیدر آباد (آندھرا پردیش) کے زیر اہتمام شائع ہونے والی کتاب 'حیدر آباد کے شاعر' کی جلد دوم میں سلیمان اریب نے منتخب کی۔ اس نظم کا موضوع 'جنگ' ہے اور یہ دوسری جنگ عظیم کے پس منظر سے شروع ہو کر کوریا کی لڑائی (تیسری جنگ عظیم کے امکانات) پر ختم ہوتی ہے۔

'آگ میں پھول' کے پہلے ایڈیشن میں 'میں اور میرا فن' کے زیر عنوان اپنے مضمون میں چند باتیں میں نے اس نظم کے بارے میں بھی لکھی تھیں۔

'تکنیک کے اعتبار سے میں نے اس میں ایک تجربہ کرنے کی کوشش کی ہے۔۔۔ اکثر جگہ کیفیات کے اظہار میں میں نے اس میں 'مسلسل غزل' کی تکنیک استعمال کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نظم کے اندازِ بیان میں ایک خاص ملائمت پیدا ہو گئی ہے یہ ملائمت ایک ایسی نظم کے لیے بہت ضروری تھی جس میں کہانی یادداشت کے طور پر ابھرتی ہو۔۔۔ یہ نظم ایک اور طریقے سے بھی کہی جا سکتی تھی، یعنی مثنوی کے انداز میں۔۔۔ لیکن چونکہ میرا موضوع ایک تاریخی المیے سے اکتسابِ فکر کرتا ہے اس لیے کہانی کے تسلسل سے زیادہ ان مخصوص واقعات کو میں نے اہمیت دی جو نظم کے بنیادی خیال کو تقویت پہچاتے ہیں۔

ایک اور بات جو آپ اس نظم میں محسوس کریں گے۔ ایک تاریخی غلطی ہے جب اس کہانی کا مرکزی کردار میدان جنگ سے اپنے وطن بنگال واپس آتا ہے تو وہاں قحط کی تباہیاں دیکھتا ہے۔ حالانکہ بنگال میں قحط ۱۹۴۲ء میں پڑا اور گزشتہ عالمگیر جنگ ۴۵ء میں ختم ہوئی۔ تین سال کے عرصہ میں ظاہر ہے کہ قحط کے آثار اس طرح باقی نہیں رہے ہوں گے جس طرح نظم میں پیش کئے

گئے ہیں مثلاً ۔

میرے ٹیگور کی زمیں پر آج
لاشوں ڈھانچوں کا بس گیا تھا جہاں
اس قدر تھا کریہہ ہر منظر
جیسے قئے کر چکا ہو قبرستاں

دراصل بنگال کے قحط کا جنگ سے تعلق میرا بنیادی موضوع ہے اور یہ واقعہ ہے کہ بنگال کا قحط قدرتی نہیں بلکہ مصنوعی تھا اور اس کا عالمگیر جنگ کی تباہ کاریوں سے ایک تعلق ضرور تھا۔ خیر میری نظم میں بنگال اور کوریا جغرافیائی حدود کے پابند رہ کر بھی ایک سمبل کے طور پر آتے ہیں۔ بنگال ۔۔۔ ایک ایسا مقام جو جنگ سے دور رہ کر بھی اتنا ہی تباہ ہو گیا جتنا کوریا ۔۔۔ یعنی تازہ ہیرو شیما ۔۔۔ اس بنیادی خیال کے پیش نظر میں نے چند برسوں کے فرق کو نظر انداز کر دیا جو بہت ضروری تھا'

'تشنگی کا سفر' میں ان نظموں کو شامل کرتے وقت میں نے 'خوب سے خوب تر کی جستجو میں' کہیں کہیں کچھ تبدیلیاں بھی کر دی ہیں جسے 'خود تنقیدی' سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

حمایت علی شاعر
شعبۂ اردو
سندھ یونیورسٹی، جام شورو

نعت ﷺ

اک شخص ۔۔۔ کائنات کا محور کہیں جسے
بندہ ہے لیک بندہ اکبر کہیں جسے
جس کی زباں سے میرے خدا نے سخن کیا
امی تھا ایسا وہ کہ سخن ور کہیں جسے
وہ جس نے مشت خاک کو انساں بنا دیا
وہ ناخدا، خدائی کا مظہر کہیں جسے
تخلیق کائنات کا وہ نقش اولیں
روح ازل کا آخری پیکر کہیں جسے
اک لفظ ۔۔۔ اک جہان معانی کا آئینہ
اک عکس ۔۔۔ اک کتاب مصور کہیں جسے
اک آدمی کہ خاک نشیں اور فلک مقام
اک روشنی کہ ذات پیمبر کہیں جسے

نعتؐ

وہ ذات شہر علم تو ہم طالبان علم
ہم ذرہ ہائے خاک ہیں، وہ آسمان علم
ہم کیا ہیں۔۔۔ ایک لفظ۔۔۔ معانی سے بےخبر
ہم کیا سمجھ سکیں گے رموز جہان علم
سوچو تو ہم ہیں کب سے اساطیر کے اسیر
کب سے ہے اپنے جہل پہ ہم کو گمان علم
قرآں ہے، اس کے نطق کا اک زندہ معجزہ
اقراء سے تابہ آیت آخر، زبان علم
اسرار کائنات کا عقدہ کشا وہی
وہ راز دان وسعت کون و مکان علم
ہم جستجوئے حق میں رواں اس کے سائے سائے
ہم کو اسی کے نقش کف پا، نشان علم

نعتؐ

اس آدمی کا مرتبہ کتنا بلند ہے
اللہ کو بھی جس کا قصیدہ پسند ہے

اس نے کہا، خدا کا ہے گھر، آدمی کا دل
وہ آدمی نہیں ہے جو مردم گزند ہے

معراج ۔۔۔ استعارہ ہے تسخیر وقت کا
ہر طول و عرض ۔۔۔ فاصلہ ایک زقند ہے

شق القمر نے باز کیا، فکر نو کا در
سورج کو جو اسیر کرے، ارجمند ہے

نعتؐ

وہ ذاتِ پاک، وہ تعبیرِ خوابِ یثرب و بطحا
وہ ایک انسان جس کے منتظر تھے کعبہ و اقصیٰ

وہ خلاقِ ازل کا نقشِ اوّل، نقشِ لاثانی
وہ جس کے واسطے تخلیق فرمائی گئی دنیا

وہ اُمی اور شہرِ علم، خاکی اور نورانی
وہ جس کے دل میں اترا عکسِ یزداں صورتِ اقراء

وہ جس کے نطق کا مرہونِ منت حرفِ قرآں بھی
وہ جس کا ہر نفس عینِ مشیتّ، ہر عمل تقویٰ

رئیس الانبیاء، انسانِ کامل، ہادی آخر
مرا ملجا، مرا ماویٰ، مرا آقا، مرا مولا

O

وہ آیا اور آ کر ساری دنیا کو بدل ڈالا
زمیں پر ہر طرف پھیلا دیا اللہ کا سایہ

سکھایا زندگی کا وہ طریقہ کار لوگوں کو
کہ ذرے بن گئے خورشید، ہر ادنیٰ ہوا اعلیٰ

کہا اُس نے کہ ہر انسان آئینہ خدا کا ہے
خدا کو اُس نے جانا جس نے اپنے آپ کو جانا

جو ظالم ہے، حقیقت میں وہ خود پر ظلم کرتا ہے
یہ وہ مخلوق ہے جس کی نہ یہ دنیا نہ وہ دنیا

محمدؐ مصطفیٰ ہیں رحمت اللعالمیں شاعر
'وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طہٰ'

نعتؐ

خود سوچیے کہ کیا ہے تقاضائے احترام
جب ہے خدا کے ساتھ رسولِ خدا کا نام

شبنم برس رہی ہے کہ ہوتے ہیں باوضو
آتے ہیں جب جہانِ محمدؐ میں صبح و شام

یہ کس کا ذکر ہے لبِ گل پر دمِ سحر
گلشن میں ہر طرف ہے جو خوشبو کا اہتمام

سورج طلوع ہوتا ہے سن کر اذانِ صبح
گویا کہ دن نکلتا ہے لے کر خدا کا نام

یہ ارضِ پاک بھی ہے، خدا ہی کی مملکت
اس جا ہر ایک زباں پہ ہے اللہ کا کلام

علی علی

بے اماں زمین پر سایہ اماں تھا وہ
ایک اور آسماں، زیر آسماں تھا وہ
آئینہ در آئینہ، اس کا عکس دیکھنا
سوچنا کہ فرد تھا کہ ایک کارواں تھا وہ
وہم اور گمان کی گھپ سیاہ رات میں
مشعل یقیں تھا وہ، صبح کی اذاں تھا وہ
حرف و لب کے درمیان جب بھی فاصلے بڑھے
خامشی گواہ ہے، عہد کی زباں تھا وہ
وہ جسے کہا گیا، باب شہر علم کا
اپنے لفظ لفظ میں علم کا جہاں تھا وہ
دیکھیے تو آدمی، سوچیے تو اور کچھ
یعنی ایک بوند میں بحر بیکراں تھا وہ

O

میں سو رہا تھا اور کوئی بیدار مجھ میں تھا
شاید ابھی تلک مرا پندار مجھ میں تھا
وہ کج ادا سہی، مری پہچان بھی تھا وہ
اپنے نشے میں مست جو فن کار مجھ میں تھا
میں خود کو بھولتا بھی تو کس طرح بھولتا
اک شخص تھا کہ آئینہ بردار مجھ میں تھا
اپنے خلاف ہو کہ کسی کے خلاف ہو
میرا وجود برسرِ پیکار مجھ میں تھا
شاید اسی سبب سے توازن سا مجھ میں ہے
اک محتسب لیے ہوئے تلوار مجھ میں تھا
اپنے کسی عمل پہ ندامت نہیں مجھے
تھا نیک دل بہت جو گنہگار مجھ میں تھا

O

در پردہ اپنے عہد کی تقدیر دیکھ لی
آیات میں چھپی ہوئی زنجیر دیکھ لی

معنی کے در پہ لفظ بھی ہیں قفل کی طرح
اے کاتب ازل، تری تحریر دیکھ لی

تھے دامنِ سراب میں صحرا بچھے ہوئے
خوش فہمیوں کے خواب کی تعبیر دیکھ لی

زنداں ہیں اور بھی پسِ زنداں بنے ہوئے
اس سر زمیں پہ خوبیِ تعمیر دیکھ لی

اچھا کیا کہ آپ نے قشقہ لگا لیا
اپنی نجات ہم نے بھی اے میر دیکھ لی

○

اک وقت اس کے عشق میں دیوانہ میں بھی تھا
وہ شمع بزم شعر تھی، پروانہ میں بھی تھا

اب وہ ہے بے نیاز تو شکوہ نہیں مجھے
اپنی انا کے ساتھ تو روزانہ میں بھی تھا

اس شوخ نوجواں کو نصیحت میں کیا کروں
برسوں کسی کی تاک میں ذردانہ میں بھی تھا

لکھتا کوئی تو دیکھتا کردار بھی مرا
عنوان کے بغیر اک افسانہ میں بھی تھا

ٹوٹے ہزار بت تو بنا خانہ خدا
میں بھی ہوں پاش پاش، صنم خانہ میں بھی تھا

○

جب بھی اسے دیکھوں، وہ نیا ہی نظر آئے
ہر شخص سے وہ شخص جدا ہی نظر آئے

ہاں ایک نظر تم بھی اسے دیکھو تو شاید
تم کو مری ناکردہ گناہی نظر آئے

مرمر سے بدن پر وہ قبا آب رواں سی
وہ حسن کہ آپ اپنی گواہی نظر آئے

جلوت میں گزر جاتی ہے جس دل پہ قیامت
خلوت میں اسے کیوں نہ تباہی نظر آئے

معلوم ہوا جب سے کہ یہ شہر ہے اس کا
یہ شہر مجھے شہر سبا ہی نظر آئے

بت خانے میں کر لے جو کوئی اس کا تصور
کافر کو تو اک بار خدا ہی نظر آئے

O

اب شاعری شعور کا پر تو نہیں رہی
جو دل کو زندہ رکھتی تھی وہ ضو نہیں رہی

کاغذ، کفن کی طرح ہے لفظوں کی لاش پر
معنی میں روح آ گہی نو نہیں رہی

کہنے کو آدمی ہیں مگر بت کی طرح چپ
زندہ ہیں، زندگی کی تگ و دو نہیں رہی

ڈوبا ہے جب سے ایک نظریے کا آفتاب
سینے میں روشنی کی قلمرو نہیں رہی

گرمِ ستیز رکھے جو دہقان کا لہو
نانِ جویں میں وہ تپشِ جو نہیں رہی

جس کے لہو سے ہوتا ہے آکاش سرخ رو
سورج کو جنم دیتی ہے جو، پو نہیں رہی

O

وہ میری آنکھوں میں یوں بسا ہے کہ صبح دیکھوں نہ شام دیکھوں
اسی کی باتیں کروں ہمیشہ، اسی کا چہرہ مدام دیکھوں

وہ اپنے تکیے پر سر ٹکائے مرے تصور میں گم ہو شاید
میں اپنے سینے پہ اس کی سانسوں کا لہلہاتا خرام دیکھوں

وہ اپنی سج دھج میں اپنے ذوق جمال کا آئینہ ہے لیکن
میں اس کی آرائشوں میں اپنی نگاہ کا التزام دیکھوں

کبھی کبھی ایسا خواب دیکھوں جو حد سے آگے نکل گیا ہو
تو اس کے کردار کے مقابل، میں اپنا کردار خام دیکھوں

کھلے سمندر میں ڈوب کر بھی عجیب عالم ہے تشنگی کا
میں خود کو بھی تشنہ کام پاؤں اور اس کو بھی تشنہ کام دیکھوں

وہ اپنے گھر کے حسین آنگن میں اپنے بچوں کے درمیاں گم
میں ایسے عالم میں جب بھی دیکھوں اسے بصد احترام دیکھوں

O

میں کون ہوں، کیا ہوں مری تحریر کہے گی
خاموش رہوں تو مری تصویر کہے گی

کیوں سرخ ہیں نقش کف پا، راہ طلب میں
کوئی نہ کہے، پاؤں کی زنجیر کہے گی

ہم کو تو سدا نیند میں چلنے کا مرض ہے
پہنچیں گے کہاں، خواب کی تعبیر کہے گی

الفاظ کی محتاج نہیں دل کی حکایت
خاموشی میں پنہاں ہے جو تقریر کہے گی

کیا راز ہے پوشیدہ پس پردہ تقدیر
اس دور کے انسان کی تدبیر کہے گی

تسلسل

تم رابعہ پیکر ہو کہ میرا ہو کہ مریم
مجھ کو نہیں معلوم کہ تم کون ہو کیا ہو
تم نے مری آیات سخن میں مجھے دیکھا
اور تم وہ حقیقت کہ جو افسانہ نما ہو

ہر دور میں ہم تم تھے محبت کی علامت
رادھا کی طرح تم تو کرشنا کی طرح میں
ہم میں وہی رشتہ ہے جو ہے ارض و سما میں
تم پاربتی جیسی ہو، شیوا کی طرح میں

ہم آئینہ و عکس کے مانند ہیں لیکن
میں دیدۂ بیدار ہوں اور خواب صفت تم
دو دل ہیں اور اک عالم ہجراں کی مسافت
خورشید صفت میں ہوں تو مہتاب صفت تم

اک موج نسیم سحری ہے کہ رواں ہے
جو آنکھ سے اوجھل سہی، نزد رگ جاں ہے

نروان کے بعد

یہ سب اس وقت کی باتیں ہیں
جب کرشن اور رادھا کی کہانی
اک حقیقت تھی
مجھے بھی ایک عورت سے محبت تھی

وہ جب مرلی کی دھن پر رقص کرتی تھی
تو اس کے جسم کا ہر زاویہ، ہر قوس، ہر انداز
اس کے رقص کا ہر دائرہ، ہر روپ
رنگ و نور کی بارش سے
اس دھرتی کو اک گلزار کر دیتا
مجھے سرشار کر دیتا

وہ جب لہرا کے رادھا کی طرح
سینے سے لگ جاتی

تو اس کا لمس
نشہ بن کے رگ رگ میں اتر جاتا
لہو کو آگ کر جاتا

وہ جب خوشبو میں رچ کر
بستر گل پر بکھر جاتی
تو بندرا بن میں جیسے
جنت گم گشتہ کی تصویر اتر آتی
زمیں پر آدم و حوا کی چاہت کو
نیا عنوان مل جاتا
نیا پیمان مل جاتا

مگر اب کرشن ہے کوئی نہ رادھا ہے
میں اک پتھر کا بت ہوں اور مشت خاک ہے وہ بھی
میں اپنے گیان میں کھویا ہوا سڑکوں پہ آوارہ
اور اپنے گھر میں، اک چولہے کی ٹھنڈی راکھ ہے وہ بھی
میں گوتم ۔۔۔ وہ یشودھا ہے

قدرِ مشترک

میں بھی تنہا ہوں، تو بھی تنہا ہے
میں بھی چاہوں کہ کوئی اپنا ہو
ایسا اپنا کہ جب یہ تنہائی
زندگی کا عذاب بن جائے
میری آنکھوں میں اس کا سپنا ہو
اور شاید اسی لیے میں نے
تم کو اپنا لیا --- خدا کی طرح

من تو شدم

عجیب بات ہے، ہم دور دور رہ کر بھی
نگاہ و دل میں کوئی فاصلہ نہیں رکھتے
مثالِ آئینہ و عکس رو برو ہیں سدا
گواہ بھی کوئی اپنے سوا نہیں رکھتے

بس ایک لفظ جو میں نے کہا نہ تم نے سنا
ہمارے دل میں ہے روشن کسی وحی کی طرح
وہ کیفیت جو فرشتوں کو بھی نصیب نہیں
ہمیں ملی ہے، خدا کے کسی نبی کی طرح

یہ دل کا راز ہے، دل میں رہے تو اچھا ہے
نظر کی بات، نظر ہی کہے تو اچھا ہے

تو من شدی

اس بار تو کچھ یوں ہے کہ دن ہے نہ کوئی رات
قابو ہی میں آتے نہیں اڑتے ہوئے لمحات

اک عالم افسوں ہے کہ یہ خواب کی دنیا
کس طرح سے بدلی ہے دل بے تاب کی دنیا

اک کاہکشاں سی ہے کہ رقصاں ہے نظر میں
منزل یہ عجب آئی محبت کے سفر میں

O

اک کیفیت نشہ ہے بیدار بدن میں
کھلتے ہوئے پھولوں کی ہے مہکار بدن میں

پہلو میں ہو تم یا ملکوتی کوئی پیکر
یا میرا تصور ہے بصد رنگ مصور

یہ حسن جو آئینہ جنت رہا برسوں
یہ جسم جو عنوان عبادت رہا برسوں

یوں مجھ پہ برس جائے گا سوچا بھی نہیں تھا
انگ انگ میں بس جائے گا سوچا بھی نہیں تھا

واپسی

میں آج بے حد پئے ہوئے ہوں
شراب یا زہر۔۔۔جو بھی سمجھو
میں چاہتا ہوں کہ اس جہنم کو سرد کر دوں
جو میرے دل میں دہک رہا ہے
مگر یہ ممکن نہیں ہے شاید
تمہارا چہرہ۔۔۔یہ مسکراتا حسین چہرہ
جو میرے ہاتھوں کے رحل میں اک کتاب کی طرح روبرو ہے
نگاہ سے دور ہو رہا ہے
میں اپنی آنکھوں کی شبنمی روشنی کا منظر کسے دکھاؤں
مجھے کچھ ایسا دکھائی دیتا ہے جیسے برسوں
کتاب رخ کی تمام آیات

خال وخط کے تمام اعراب
کہکشاں کی طرح فضا میں بکھر رہے ہیں
میں اک خلا میں اتر رہا ہوں
میں آج تم سے بچھڑ رہا ہوں
میں جا رہا ہوں
کچھ اتنا تنہا کہ میرا سایہ تلک مرا ہم سفر نہیں ہے
اسے بھی میں اس حسین خلوت میں چھوڑ آیا
جہاں ہمارے دل ایک ہو کر بھی
ایک حد وفا کی تکریم کر رہے تھے
سپردگی کے نشے میں ڈوبے ہوئے تھے لیکن
بدن کی بھی تعظیم کر رہے تھے
عجیب عالم تھا قلب و جاں کا
عجیب تھی کیفیت دلوں کی
طواف کرتے رہے مگر آرزوئے جنت نہ کی ذرا بھی
کچھ ایسی بے لاگ تھی عبادت کہ محو حیرت رہا خدا بھی
عجیب تھی یہ اکائی جس میں دوئی کی تائید ہو رہی تھی
وصال کی سرحدوں میں ہم آغوشیوں کی تردید ہو رہی تھی

تمہیں خبر ہے
میں اس حسیں گوشہ محبت میں ۔۔۔آخر شب
جب اپنا سایہ بچھا کے تنہا ہی سو گیا تھا
تو اپنے خواب وصال پر آپ اک حسیں طنز ہو گیا تھا
وہ خواب جس کے فراق میں بے قرار آنکھیں
ہزار سنگین مرحلوں سے گزر کے پتھر کی ہو گئی تھیں
ہزار چہروں میں ایک چہرہ تلاش کرتی
نہ جانے کتنے برس سے دردر کی ہو گئی تھیں

وہ ایک چہرہ۔۔۔وہ ایک آوارہ محبت کا خواب آخر
جو میری آنکھوں کا گم شدہ خواب اولیں تھا
جو میرے دل میں خدا کے مانند جاگزیں تھا
مجھے ملا بھی تو یوں کہ جیسے
زمیں سے آکاش مل رہا ہو
تم اے محبت بھرے دلوں کی حسین دیوی
(تم اے خدائے جمال) اب تک
نہ جانے مجھ ایسے کتنے بندوں کی سجدہ گاہ وفا رہی ہو

نہ جانے وہ کون ہوگا جس کو کرشن کی طرح تم نے چاہا
مجھے کسی کی خبر نہیں ہے
میں چاہتا بھی نہیں کہ جانوں
کسی کو اپنے سوا بھی مانوں
تم اے محبت بھرے دلوں کی حسین دیوی
تم اپنے مندر میں ایک پتھر کی مورتی بن کے مطمئن ہو؟
پجاریوں کے بھجن تمہاری انا کو تسکین دے رہے ہوں
تو اپنے مندر میں گونجتی خوش گماں نوائیں تمہیں
مبارک
میں جا رہا ہوں
کچھ اتنا تنہا کہ میرا سایہ بھی اب مرا ہم سفر نہیں ہے
میں اپنا سایہ تمہارے قدموں میں چھوڑ آیا
جہاں بھی جاؤ
جہاں رہو تم
تمہارے قدموں میں میرا سایہ بچھا رہے گا
تمہارے سائے سے میرا سایہ ملا رہے گا

اب وقت بہت کم ہے

اب وقت بہت کم ہے
ملنا ہے تو مل جاؤ

تم کو تو خبر ہوگی
ہم عمر کی کس منزل
کس موڑ پہ آ پہنچے
اس موڑ پہ اکثر دل
مل کر بھی نہیں ملتے
بس دیکھتے رہتے ہیں
اور سوچتے رہتے ہیں
پتھر کی طرح گم سم

اب وقت بہت کم ہے
ملنا ہے تو مل جاؤ
ایسا نہ ہو یہ موسم
یہ عالم بے خوابی
ہاتھوں سے نکل جائے
یہ شمع پگھل جائے
اور دیکھتے رہ جائیں
اور سوچتے رہ جائیں
پتھر کی طرح ہم تم

ضرورت

کبھی کبھی مجھے ایسا گمان ہوتا ہے
کہ اپنا سچ بھی اسی جھوٹ ہی کا حصہ ہے
جو اس زمین پہ دو اولیں دلوں نے کبھی
لب و نگاہ سے باہم کہا سنا ہو گا
اور اپنی اپنی ضرورت کو دے کے پیار کا نام
بدن کی پیاس کو سیراب کر لیا ہو گا

کبھی کبھی

آج کچھ دیر سے مرے دل میں
ایک خواہش مچل رہی ہے بہت
جسم میں ایک لہر ہے بیدار
اور خموشی بھی کھل رہی ہے بہت
ایک محبس کی ہے فضا گھر میں
سانس بھی تیز چل رہی ہے بہت
بھیگا بھیگا سا ہوں پسینے میں
دل میں اک شئے پگھل رہی ہے بہت
کوئی بے نام بے کلی ہے کہیں
اپنی حد سے نکل رہی ہے بہت

جی میں آتا ہے جا کے سڑکوں پر
حد تہذیب سے نکل جاؤں
ایک نعرہ لگاؤں مستانہ
لڑکھڑاؤں کبھی سنبھل جاؤں

کان پر ہاتھ رکھ کے، کھینچوں تان
اور کبھی قہقہوں میں ڈھل جاؤں
چھوٹے بچوں کی طرح جا بے جا
بیٹھ جاؤں کہیں، اچھل جاؤں
روح پر سے اتار دوں ہر بوجھ
اولیں آدمی میں ڈھل جاؤں

یہ مگر کون دیکھتا ہے مجھے
کوئی سایہ سا ایستادہ ہے
کون ہے اس طرف پس چلمن؟
کوئی انساں ہے یا لبادہ ہے
دل میں جو ہے مرے، ابھی تک وہ
ایک حسرت ہے اک ارادہ ہے
ہے وہ تہذیب کے خلاف ضرور
کیا کروں میں، خمار بادہ ہے
دل میں خوف خدا بھی ہے لیکن
خوف ہمسایہ کچھ زیادہ ہے

پڑوسی

میں جانتا ہوں، گناہ کیا ہے، ثواب کیا ہے
گناہ کیجئے تو پھر خدا کا عتاب کیا ہے
مگر میں انساں ہوں، ابن آدم، مجھے خبر ہے
ازل سے میری سرشت خانہ خراب کیا ہے

گناہ ہوتے ہیں اب بھی سرزد، مگر یہ سوچو
کہ جب کبھی دل میں کوئی شیطان سر اٹھائے
تو ارتکاب گناہ و خوف خدا سے پہلے
پڑوسیوں کے خیال سے جسم کانپ جائے

یہ سچ ہے، تہذیب کی عطا ہے مرا پڑوسی
مگر خدا سے بھی کیا بڑا ہے مرا پڑوسی؟

غیرت

ان کا قصور صرف یہی تھا کہ ان کے ساتھ
تا دور، راستے میں کوئی تیسرا نہ تھا
جب تیسرا ملا تو یہ چھوٹا سا واقعہ
یاران شہر کے لیے افسانہ بن گیا
اور آج یہ خبر کسی اخبار میں پڑھی
اک نوجواں نے طیش میں اک قتل کر دیا

عقیدہ

وہ کہہ رہے تھے کہ سرکار یہ نئی سوغات
خدا نے ہم کو عطا کی ہے ایک ایسی رات
کہ جب ہمارے لبوں پر تھی اپنے پیار کی بات
کہ جب ہماری محبت کو مل رہا تھا ثبات
ہمارے سامنے موجود تھی خدا کی ذات

وہ کہہ رہے تھے ـ ـ ـ مگر کوئی مانتا ہی نہ تھا
خدا کو جیسے کوئی شخص جانتا ہی نہ تھا

دل ہی تو ہے

عمر کچھ ہو مگر یہ دل ۔۔۔ جاناں
وقت سے بے نیاز ہوتا ہے
لب پہ حرف سوال ہو کہ نہ ہو
دل کا دامن، دراز ہوتا ہے

آج ہی کہہ رہا تھا میں تم سے
تم کو مریم بنائے رکھوں گا
اک مقدس کتاب کے مانند
رحل پر ہی سجائے رکھوں گا

اور اب رحل بن گئی آغوش
اور اب ہم ہیں اور دل بے تاب
ہر تعین سے ہو کے بے پروا
میرے زیر مطالعہ ہے کتاب

دوسرا پہلو

جناب والا
گواہیاں چشم دید ہوں تو
گماں کا امکان ہی کہاں ہے
اور اس گناہ عظیم میں تو
ہماری تہذیب کا زیاں ہے
انہیں سزا دیجے باری باری
سزا ۔۔۔ سر عام سنگ ساری
مگر ۔۔۔ اجازت اگر عطا ہو
تو ایک نکتہ ہے، اک گزارش
کسی کی خلوت میں چوری چوری
یہ تانکنے جھانکنے کی کوشش
ہماری تہذیب میں روا ہے؟
نہیں۔ تو پھر اس کی کیا سزا ہے؟
جناب والا

اُس نے کہا تھا

اُس نے کہا تھا
میرے بدن کو مت چھونا
جسم میں آگ بھری ہوئی ہے
میں نے کہا۔۔۔اس آگ میں جل کر
دل کی شاخ ہری ہوتی ہے

اُس نے کہا تھا
میرے خواب امانت ہیں
اُس میں خیانت ہو جائے تو؟
میں نے کہا۔۔۔اک چور کے ہاتھوں
خواب حقیقت ہو جائے تو؟

اُس نے کہا تھا
بات نہ افسانہ ہو جائے
دل کی دل میں رہے تو اچھا
میں نے کہا۔۔۔یہ راز ہمیشہ۔۔۔
آنکھ سے آنکھ کہے تو اچھا

اُس نے کہا تھا
اور پھر اس نے جو بھی کہا
میری آنکھوں میں رقصاں تھا
اور پھر دل کی شاخ ہری تھی
اور پھر کوئی راز کہاں تھا

کرامت

آؤ تمھیں اعجاز دکھائیں
جسم سے جسم ملے تو کیسے
رات چراغاں ہو جاتی ہے
آگ میں کود پڑیں تو اب بھی
آگ گلستاں ہو جاتی ہے
آؤ تمھیں یہ راز بتائیں
ایک عصا کی ضرب سے کیسے
دریا میں رستہ بنتا ہے
پرزے پرزے ہو کر کیسے
کاغذ گلدستہ بنتا ہے
آؤ تمھارے ناز اٹھائیں
سوئی رہو تم، ہم جاگیں گے
خواب میں جب کوئی آتا ہے
دھڑکن تیز تو ہو جاتی ہے
لیکن وقت ٹھہر جاتا ہے

سیاست

یہ سیاست بھی کیا عجب شئے ہے
تم سمجھتے ہو، تم بھی حق پر ہو
میں سمجھتا ہوں، میں بھی حق پر ہوں
میں تمھیں ماردوں تو، تم بھی شہید
تم مجھے ماردو۔۔۔میں بھی شہید
میں ہوں یا تم۔۔۔یہاں۔۔۔بفضل خدا
سب شہیدوں کی صف میں شامل ہیں
سب یزیدوں کی صف میں شامل ہیں

وطن کی فکر کر ناداں۔۔۔

ابھی تو کچھ نہیں ہوا، ابھی تو ابتداء ہے یہ

اور اب وہ وقت آئے گا کہ ساری قوم روئے گی
اور اپنے دل کے داغ اپنے آنسوؤں سے دھوئے گی
یہ سرمین پاک ہے کہ ارض کربلا ہے یہ
یہ لوٹ مار، قتل وخوں، ڈکیتیاں، تباہیاں
بموں سے چند ثانیوں میں یہ اجڑتی بستیاں
بہشت میں کہاں سے اک جہنم آ گیا ہے یہ
یہ کس کی آبرو لٹی، یہ کس کا سینہ شق ہوا
یہ کون بھائی ہے کہ جس سے بھائی جاں بحق ہوا
بہن کی زندہ لاش کون یوں بھنبھوڑتا ہے یہ

یہ خودکشی کی مشق ہے کہ جنگ خانہ ساز ہے
کہ غزنوی کمال فن بصورت ایاز ہے
جو ہم میں جاں بہ لب ہے وہ ضمیر پوچھتا ہے یہ
ہم اپنے ہاتھ سے ہی اپنا جسم کاٹتے بھی ہیں
پھر اپنی ہی زباں سے اپنا خون چاٹتے بھی ہیں
اگر ہے یہ جنون تو جنوں کی انتہا ہے یہ
سنا ہے اس فساد میں پڑوسیوں کا ہاتھ ہے
ہماری اپنی آستیں میں دشمنوں کا ہاتھ ہے
خبر نہیں فسانہ ہے کہ امر واقعہ ہے یہ
دیار پاک میں سدا عجیب سلسلہ رہا
زبان و دل کے درمیاں ہمیشہ فاصلہ رہا
سیاست وطن کا اک طویل سانحہ ہے یہ
خدا و دیں کے نام پر اگر یہ قوم ایک تھی
تمام امتوں کے درمیاں اگر سب سے نیک تھی
تو آج کیوں ہے بدترین، کیوں بہم جدا ہے یہ

سبھی ہیں اس نفاق کے جواز کی تلاش میں
یہ راز ہے چھپا ہوا سیاست معاش میں
علاقہ واریت نہ قومیت کا مسئلہ ہے یہ

شناخت کی ہر ایک شکل معتبر سہی مگر
ثقافتوں کے نام پر یہ فوقیت بہم دگر
شکست خوردگی کا آئینہ ہے اور کیا ہے یہ

حسب نسب کی خوش گمانیاں ہیں اور آدمی
خیال و خواب کی کہانیاں ہیں اور آدمی
اور آدمی ہے کیا ہوا کی زد پہ اک دیا ہے یہ

یہی دیا بھڑک اٹھے تو مہر و ماہ کچھ نہیں
جو بجھ گیا تو یہ بجز غبار راہ کچھ نہیں
مگر ہم آج کیوں دھواں دھواں ہیں، سوچنا ہے یہ

وطن میں رہ رہے ہیں اور وطن سے واسطہ نہیں
ہمارے گرد و پیش آج کوئی راستہ نہیں
زمین پر ہیں یوں قدم کہ زیر پا خلا ہے یہ

میں ایک نوجواں کی گفتگو یونہی رقم کروں
مری تو آنکھ نم ہے آپ کی بھی آنکھ نم کروں
وہ کہہ رہا تھا آپ کے گناہ کی سزا ہے یہ

وہ قوم جو بکھر چکی وہ کیا سمٹ سکے گی اب
یہ نفرتوں کی ہے خلیج، خاک پٹ سکے گی اب
کہ آپ ہی کے نقش پا کا ایک سلسلہ ہے یہ

بزرگ اپنے فیصلوں پہ شرمسار ہوں نہ ہوں
حقیقتوں سے ان کے خواب ہم کنار ہوں نہ ہوں
ہمیں جو آپ نے دیا وہ کاسۂ گدا ہے یہ

کہا گیا تھا یہ وطن بنا ہے سب کے واسطے
تو ہم پہ آج کیوں ہیں بند زندگی کے راستے
یہ خانہ جنگیاں نہیں، جہاد للبقا ہے یہ

میں سوچتا ہوں، ایسے نوجواں کو کیا جواب دوں
نظر سے گر چکے جو خواب ان کو کیسے آب دوں
میں کس طرح کہوں اسے، فنا کا راستہ ہے یہ

ادھر ہیں اقتدار کے نشے میں چور، حکمراں
ادھر عوام کا ہجوم، مشتعل، شرر خشاں
اوران کے درمیاں وطن کا بخت نارسا ہے یہ
یہی تو کشمکش تھی جو ہمیں دو نیم کر گئی
ہر ایک خواب چھین کر ہمیں یتیم کر گئی
ہمارے پاس اب ہے کیا، بقاء کا آسرا ہے یہ
دھڑک رہا ہے دل مرا، وطن کا حال دیکھ کر
یہ انتشار دیکھ کر، یہ اشتعال دیکھ کر
خدا بچائے کس طرف مرا وطن چلا ہے یہ
ابھی تو کچھ نہیں ہوا، ابھی تو ابتدا ہے یہ

○علامہ اقبال کا شعر ہے

وطن کی فکر کر ناداں قیامت آنے والی ہے
تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں

دعا

مرے وطن مری ہر اک دعا ہے تیرے لیے
مرے خدا سے مری التجا ہے تیرے لیے
تجھے وہ غم نہ ملے جو مرے نصیب میں ہیں
مگر یہ بات کہ مجھ سے ہی تو عبارت ہے
مرے قلم کی طرح تو مری امانت ہے
بسا ہوا تو ہر اک شاعر و ادیب میں ہے
یہ ناخدا، جو خدا بن گئے بفضل خدا
جو چاہتے ہیں کہ ہو جاؤں میں بھی تجھ سے جدا
مگر وہ عہد وفا، جو مری صلیب میں ہے
مرے وطن، مرا سب کچھ تری نگاہ میں ہے
تجھے خبر ہے کہ جو درد مری چاہ میں ہے
نثار تجھ پہ وہ سب، جو دل غریب میں ہے

آج فراق بھی گئے

جوش کو رو رہے تھے ہم، آج فراق بھی گئے
خون رو اب اۓ چشم نم، آج فراق بھی گئے
نظم کا باغ لٹ گیا، بزم غزل اجڑ گئی
دے کے دلوں کو تازہ غم، آج فراق بھی گئے
جس کا ہر ایک شعر تھا اپنی صدی کا آئینہ
ساتھ لیے وہ جام جم، آج فراق بھی گئے
’شعلہ ساز‘ بجھ گیا، سو گئی ’روح کائنات‘
’روپ‘ سنوارے کیا صنم، آج فراق بھی گئے
جوش کے بعد کون ہے ’نغمہ نما‘ کہیں جسے
ایک فراق کا تھا دم، آج فراق بھی گئے

تماشا

اک پہاڑ ڈھ گیا
بگولے ناچ اٹھے کہ خاک سر بلند ہو گئی
اک جہاز غرق ہو کے رہ گیا
ہر ایک موج اچھل پڑی کہ فتح مند ہو گئی
ایک آفتاب شب کی ظلمتوں میں گہہ گیا
ستارے ہنس پڑے کہ روشنی دو چند ہو گئی
چھلک رہا ہے ظرف ظرف
آئینہ ہے حرف حرف
تماشا یہ بھی ہو رہا ہے شعر کی بساط پر
فراق اور جوش اور فیض کی وفات پر

ماتم یک شہرِ آرزو

نکہت، ہمارا یار تو ہم سے بچھڑ گیا
وہ یار دل نواز، رفاقت کی آبرو
وہ کیا چلا گیا ہے کہ سکھر اجڑ گیا

نکہت، تمہیں تو یاد ہیں وہ رت جگے تمام
وہ محفلیں، مشاعرے، یاروں کے جمگھٹے
سکھر میں ایک جشن سا رہتا تھا صبح و شام

مظہر جمیل اور نہ آفاق ہے وہاں
خالد علیگ اور نہ مسلم شمیم ہیں
پنچھی تمام اڑ گئے، سونا ہے آشیاں

ہم چند یار بیٹھے ہیں جو دل فگار سے
تھا ایک ن، م، نیازی حسن کے ساتھ
چپ چاپ وہ بھی چل دیے اپنے دیار سے

اب گرد و پیش رات کا ڈیرا ہے اور ہم
کچھ روشنی تھی دل میں تو شمسی کے نام سے
اب دور تک خموش اندھیرا ہے اور ہم

آئینہ در آئینہ

اس بار وہ ملا تو عجب اس کا رنگ تھا
الفاظ میں ترنگ نہ لہجہ دبنگ تھا
اک سوچ تھی کہ بکھری ہوئی خال و خد میں تھی
اک درد تھا کہ جس کا شہید انگ انگ تھا
اک آگ تھی کہ راکھ میں پوشیدہ تھی کہیں
اک جسم تھا کہ روح سے مصروف جنگ تھا

میں نے کہا کہ یار تجھے کیا ہوا ہے یہ
اس نے کہا کہ عمر رواں کی عطا ہے یہ
میں نے کہا کہ عمر، رواں تو سبھی کی ہے
اس نے کہا کہ فکر و نظر کی سزا ہے یہ
میں نے کہا کہ سوچتا رہتا تو میں بھی ہوں
اس نے کہا کہ آئینہ رکھا ہوا ہے یہ
دیکھا تو میرا اپنا ہی عکس جلی تھا وہ
وہ شخص میں تھا اور حمایت علی تھا وہ

ہوا پہ اختیار کیا

اسی ہوا کے لمس سے کھلے تھے پھول چارسو
اسی ہوا کی زد میں بجھ گیا چراغِ آرزو
ہوا سے کس طرح کہوں کہ میری زندگی ہے تو

ہوا کا روپ ایک ہے مگر چلن جدا بھی ہے
نگاہ میں نہیں مگر نگاہ آشنا بھی ہے
کبھی ہے نزدِ جاں بہت کبھی گریز پا بھی ہے

میں خوش گماں کہ سانس کی طرح وہ میرے ساتھ ہے
مجھے یقیں کہ میرے ہاتھ میں بھی اُس کا ہاتھ ہے
مگر مجھے خبر نہ تھی ہوا خدا صفات ہے

خدا بھی دلنواز ہے، ہوا بھی دلنواز ہے
خدا بھی بے نیاز ہے، ہوا بھی بے نیاز ہے
خدا بھی ایک راز ہے، ہوا بھی ایک راز ہے

خدا پہ اختیار کیا
ہوا پہ اختیار کیا

پتھر

یہ آدمی کا رفیقِ اوّل
یہ اوّلیں پاسبانِ آدم
امینِ فکر و خیالِ آدم
ازل سے انساں کا ہمسفر ہے
یہ سنگ۔۔۔
ہاں اس حقیر پتھر کے کتنے احساں ہیں آدمی پر

جب اس وسیع و عریض دنیا میں
آدم اپنی حسین حوّا کے ساتھ
تنہا تھا اور بے بس
نہ تن پہ کپڑا۔۔۔نہ پیٹ روٹی
نہ اس کا امکاں نہ اس کی کوئی سبیل۔۔۔لیکن۔۔۔

کبھی پہاڑوں کے غار۔۔۔مامن
کبھی درختوں کی چھاؤں۔۔۔ڈیرا
وہیں بسیرا
کبھی درختوں کے پھل۔۔۔غذائیں
رسائی جب ہو سکی نہ اُن تک
تو صرف پتھر ہی کام آیا
کبھی کسی جانور سے بچنا ہو۔۔۔
جاں بچانی ہو اپنی یا اپنی ہمسفر کی
تو صرف پتھر ہی کام آیا
یہ سنگ۔۔۔
ہاں اس حقیر پتھر کے کتنے احساں ہیں آدمی پر

اسی نے گھر کا شعور بخشا
اسی نے انسان کو عطا کی۔۔۔
وہ آگ جس نے جہاں کو پرنور کر دیا ہے
وہ لمحہ جب آدمی نے سوچا۔۔۔
(جب اس کے اظہار کو 'زبان' بھی نہ تھی میسر)

نہ 'حرف' حاصل ---نہ 'علم' حاصل
وہ دور جب آدمی ہر اک شے کو
صرف شکلوں میں دیکھتا تھا
وہ جب بھی کچھ سوچتا
تو شکلوں میں سوچتا تھا
(اور اپنی صورت بھی صرف پانی میں دیکھتا تھا)
اسے خبر بھی نہ تھی ---وہ کیا ہے؟
کہاں سے آیا ہے اور کہاں جائے گا یہاں سے؟
بنائی ہے کس نے یہ آب وگل کی حسین دنیا؟
حسیں پرندوں، حسیں دشت وجبل کا خالق ہے کون آخر؟
کہاں وہ رب ہے؟

یہ سوچ جب جب بھی محورِ فکر بن گئی ہے
تو پتھر میں اتر کے محفوظ ہو گئی ہے
ہزار ہا سال تک یہ پتھر
دماغ ودل کا امیں رہا ہے
خدا کے پیکر میں ڈھل کے---

ہر آدمی میں مکیں رہا ہے
یہ سنگ---
وہ آئینہ ہے جس میں
خدا کا ہر عکس ہے منور
(وہ جس پہ نازاں ہے خود خدا بھی)

نہ سنگ---
ہاں اس حقیر پتھر کے کتنے احساں ہیں آدمی پر
یہ ایک پتھر
یہ آدمی کا رفیق اوّل
ازل سے انساں کا ہمسفر ہے
ابد تلک ہمسفر رہے گا

عہدِ وفا

کہا گیا ہے کہ میں اپنے دل کی فکر کروں
کہ اب یہ اور غمِ زندگی سہے نہ سہے
تھکا ہوا ہے بدن اور چل رہا ہوں میں
نہ جانے اب یہ میرا ہمسفر رہے نہ رہے

سفر میں چھوٹ بھی جاتے ہیں ہمسفر لیکن
وہ ایک شخص کہ جس کی یہ دل امانت ہے
بچھڑ گیا تو میں کیا منہ دکھاؤں گا اس کو
جو ہے تو بس یہی اندیشۂ ندامت ہے

خدا کرے وہ سلامت رہے جہاں بھی رہے
میں خاک ہو بھی گیا تو فنا نہیں ہوں گا
ہوائیں کرتی ہیں جیسے سدا طوافِ حرم
میں اس کے پاس رہوں گا جدا نہیں ہوں گا

کبھی میں خواب کی صورت رہوں گا آنکھوں میں
کبھی میں کوئی حسیں یاد بن کے آؤں گا
وہ اشک جو میرے غم میں کبھی امڈ آئے
میں ان میں عہدِ وفا بن کے مسکراؤں گا

(ہرمن ہسپتال۔ ہیوسٹن، امریکہ میں کہی گئی)

سیاست

یہ سیاست بھی کیا عجب شے ہے
میں سمجھتا ہوں تم بھی حق پر ہو
تم سمجھتے ہو میں بھی حق پر ہوں
میں تمہیں مار دوں تو تم ہو شہید
تم مجھے مار دو تو میں ہوں شہید
میں ہوں یا تم، یہاں بہ فضل خدا
سب شہیدوں کی صف میں شامل ہیں
سب یزیدوں کی صف میں شامل ہیں

کربلا

کربلا تیرے شہیدوں کا لہو بہہ تو گیا
اس لہو سے زندگی کا اِک نیا جوہر کھلا
آدمی جو پیکرِ خاکی تھا، اِک ذرہ ہی تھا
اپنے خوں میں تپ کے ہر اِک ذرہ سورج بن گیا
اب یہ سورج ہے زمیں کا رہنما اے کربلا

ظالموں مظلوم کی جب بھی چھڑی دنیا میں جنگ
کربلا کے ان شہیدوں کا لہو لایا ہے رنگ
مقتلوں میں زندگی کی اس طرح جاگی امنگ
آئینوں کی حیرتوں پر ہو گئے پتھر بھی دنگ
حق پرستوں کو ہے یہ تیری عطا اے کربلا

کربلا میں دین کے سردار نے سر تو دیا
ماں نے بیٹا، بھائی نے اپنا برادر تو دیا
بہرِ ناموسِ وفا، بیوی نے شوہر تو دیا
ظالموں نے خوں کے رشتوں کو جدا کر تو دیا
تو نے ان رشتوں کو محکم کر دیا اے کربلا

کربلا تو زندگی کی آخری تصویر ہے
آدمیت کے سنہرے خواب کی تعبیر ہے
بندگی کی سر بلندی، عشق کی تقدیر ہے
تو زمیں پر آسماں کی وہ امٹ تحریر ہے
جس کو دل کے خون سے لکھا گیا اے کربلا

امام جعفر صادق

ضابطہ حیات کا شارحِ اوّلیں تھا وہ
بے دینیوں کی راہ میں راہنمائے دیں تھا وہ
آلِ نبیؐ کا راز داں ابنِ علی کا ترجماں
وہم و گماں کی دھند میں روشنیِ یقیں تھا وہ
ہاں وہ امامِ وقت تھا ہاں وہ امامِ وقت ہے
کیوں نہ امامِ وقت ہو صادقِ صادقیں تھا وہ
عالَمِ شش جہت کو بھی نسبتِ خاص اسی سے ہے
اہلِ نظر کو ہے خبر کیا تھا وہ کیا نہیں تھا وہ

پیغامِ افغانی

خواب جو حضرت جمال الدین افغانی کا تھا
آئینہ ساماں ہے اپنی ترجمانی کے لیے
پین اسلام ازم کی تحریک، وحدت کی نقیب
بین الاسلامی رفاقت کی نشانی کے لیے
شاعرِ مشرق نے بھی چاہا یہی سوچا یہی
مومنوں کے ذہن و دل میں ضوفشانی کے لیے
نت نئ راہیں منور کیں بہ فکر نو بہ نو
پیکرِ الفاظ میں روحِ معانی کے لیے
شعر یہ اقبال کا پیغامِ افغانی بھی ہے
لکھ رہا ہوں اہلِ دل کی نکتہ دانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابہ خاکِ کاشغر
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیئے

کشمیر

وہ سر زمیں جسے جنت نظیر کہتے ہیں
وہاں بھی رہتے ہیں اہلِ ضمیر کہتے ہیں
ہماری طرح ہیں وہ بھی غریب ابنِ غریب
مگر وہ دل کے ہیں بے حد امیر کہتے ہیں

ہے ان کے بخت پہ برصغیر بھی نازاں
غریب اہلِ نظر بھی، امیر بھی نازاں

جو قوم علم و عمل کی رہی ہو شیدائی
اسی نے سارے زمانے میں رفعتیں پائی
اسی کو دولت و عزت ملی ہے عظمت بھی
اسی کی سارے جہاں میں ہے آج دارائی

وہ اپنے وقت سے آگے بھی، ہم رقاب بھی ہے
زمیں پہ رہتے ہوئے مثلِ آفتاب بھی ہے

خدا کرے کہ یہ سورج سبھی کے سر چمکے
دیارِ پاک پہ برصغیر پر چمکے
پھر ایک مثال ہو کشمیریوں کی فنکاری
ہر ایک ملک میں کشمیر کا ہنر چمکے

تمام دہر میں عظمت کا ایک نشاں بن جائے
یہ سر زمین بھی اک روز آسماں بن جائے

الارض اللہ

(ساری زمین خدا کی ہے)

ہر ملک میرا ملک ہے ○ ہر شہر میرا شہر
میرے خدا کا ملک ہے، میرے خدا کا شہر
میں آدمی ہوں کہتے ہیں، آدم کی نسل ہوں
جنت کی گود میں جو پلی ہے، وہ فصل ہوں
میری زمیں کی طرح میرا آسماں بھی ہے
اور مجھ پہ جو خدا کی طرح مہرباں بھی ہے
ہے کون میری طرح حسیں کائنات میں
اللہ کا جمال ہے میری صفات میں
میرے لیے ہیں سارے جہانوں کے خشک و تر
'بعد از خدا عظیم ہوں 'میں'، قصہ مختصر'

O

جب یہ سند ہے پاس تو ویزا کی فکر کیا
اللہ کی زمین پہ 'پیزا' کی فکر کیا
رختِ سفر اٹھایئے لے کر خدا کا نام
جس جا ملے گی چھاؤں کریں گے وہیں قیام
امریکہ ہو کہ روس ہو یورپ ہو یا عرب
پوچھے کوئی تو ساتھ ہے یہ شجرۂ نسب
آدم کے جانشیں ہیں، شریکِ خدائی ہیں
دنیا میں جتنے لوگ ہیں سب بھائی بھائی ہیں
مذہب جدا جدا سہی، اللہ ایک ہے
منزل کی سمت جاتی ہے جو راہ، ایک ہے

لیکن یہ کیا، یہ کس نے کہا ہے جواب میں
'ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں'
(غالب)

٥ ہر ملک ملکِ ماست ملکِ خدائے ماست (اقبال)

نمکین غزلیں

قصے بہت رقم تھے ثواب و عذاب کے
جب غور سے پڑھا تو ملے نقشے آپ سے

شیروں کے ساتھ رہتے تھے، قالین کے سہی
جرأت کے اور بھی ہیں کرشمے جناب کے

سر پر محیط ازل سے ہیں جو سات آسماں
اس دور میں کھلا کہ گنبد حباب کے

کیا احترامِ علم ہے، پڑھتے ہوئے کبھی
اوراق بھی کٹے نہ پرانی کتاب کے

سب کو دکھا چکے ہیں، ہتھیلی میں سبز باغ
یونہی نہیں ہے لوگ مرید آں جناب کے

O

کیا ضروری ہے کہ ہر بات کو ہم شعر کریں
بات کہنے کی نہ ہو، پھر بھی رقم شعر کریں

مصرعہ طرح کا فرمائیں وظیفہ ہر دم
پھر مریضانِ غمِ عشق پہ دم شعر کریں

اپنی حالت پہ لہو رونے لگی عقلِ سلیم
اب تو اپنی ہمہ دانی ہی کا غم شعر کریں

جن کے نزدیک ہے بس قافیہ پیمائی غزل
اپنی غزلوں سے بھلا کیسے وہ کم شعر کریں

اردو کے شاعر

ہم کہ اردو زباں کے شاعر ہیں
ہم سے مت پوچھئے کہ ہم کیا ہیں
ہم زمیں پر ہیں آسماں کی طرح
یوں کہیں بھی نہیں پہ ہرجا ہیں

یوں تو کہنے کو ہم عوامی ہیں
اور مزاجاً سبھی ہیں درباری
طاق ہیں ہم قصیدہ گوئی میں
ایک ایک شعر میں ہے تہہ داری

پاک ہند مشاعرہ

جوش و فراق ہوں کہ وہ سردار و فیض ہوں
احمد ندیم قاسمی یا کیفی اعظمی
جذبی ہوں یا قتیل ہوں، آزاد یا فراز
انسانیت نواز ہے ان سب کی شاعری
فرزندِ ہند و پاک ہیں یہ شاعرانِ قوم
قائم ہے ان کے نام سے اک ربطِ باہمی
یہ شمع جو جلائی گئی ہے بصد خلوص
شمع مشاعرہ کہو یا شمع دوستی

یارب یہ شمع جلتی رہے ہند و پاک میں
اِک کہکشاں میں ڈھلتی رہے ہند و پاک میں

پاک ہند دوستی

آرزوئے ہند ہے یہ آرزوئے ارضِ پاک
آدمِ خاکی ہیں ہم اور ہے یہی توقیرِ خاک
مسئلہ کوئی ہو، مل جل کے کریں گے اس کو حل
’آ ملے ہیں سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک‘

متفرق اشعار

شاعر نظامِ زر کا ہے پروردہ ذوقِ حسن
گیہوں سے بھی حسین ہے سونے کی بالیاں

O

اب کیا اسے کہیں کہ وہ ناداں بھی ہے بہت
انسان ہو نہ ہو، پہ مسلماں بھی ہیں بہت

O

ہوا چلی تھی مجھے کچھ گماں ہوا ایسا
ہلے ہوں برگ، ابھی تک کہاں ہوا ایسا

حضور شاہ کھلے جھوٹ پر جو چیخ اٹھے
ہمارے شہر میں کوئی جواں ہوا ایسا؟

کھلے ہیں شاخ پہ گل، جیسے دار پر لاشیں
بھری بہار میں گلشن خزاں ہوا ایسا؟

O

ہمارے شہر میں اب آنکھ پیرہن پہ رہتی ہے
کسی دستِ زلیخا پر نہیں دامن پہ رہتی ہے

وہ اعجازِ کلیمی ہو کہ سحر سامری کچھ ہو
عصاء جب ناگ بنتا ہے نظر ناگن پہ رہتی ہے

O

وہ قامتِ زیبا ہے کہ پھولوں کی لڑی ہے
عورت ہے کہ اِک پیکرِ صد رنگ کھڑی ہے

میں دیکھنا چاہوں بھی تو کس طرح سے دیکھوں
آنکھوں میں تو ایک نور کی زنجیر پڑی ہے

بینش سلیمی

(ایک شاعر دوست کی یاد میں)

رفیق تھا غمگسار تھا وہ
ایک آدمی دوست دار تھا وہ
حسین خوابوں کا وہ صنم گر
مصور و حسن کار تھا وہ
دلوں میں رہتا تھا شہر بھر کے
عجب غریب الدیار تھا وہ
بہت کم آمیز و کم سخن تھا
پہ شاعرِ طرح دار تھا وہ
ہر ایک صنفِ سخن کا شیدا
مگر غزل پر نثار تھا وہ
میں اس کا افسانہ کیا سناؤں
یہی کہ بس میرا یار تھا وہ

صنعتی شہر

دوسرے فٹ پاتھ پر تھا ایستادہ میرا یار
میں نے ہنس کر کچھ کہا اور اس نے ہنس کر کچھ کہا
راہ میں کاریں رواں تھیں یوں قطار اندر قطار

دیر تک ہم اپنے ہاتھوں کو ہلاتے رہ گئے
دور ہی سے دیکھتے اور مسکراتے رہ گئے

درونِ ذات

میرے دل میں ایک خیال تھا
میرے دل میں ایک خیال ہے
وہ کسی کا عکسِ جمال تھا
وہ کسی کا عکس جمال ہے
اسے ایک نکہتِ گُل کہوں
کہ اپنی رفعتِ گُل کہوں
وہ جو ماہتاب مثال تھا
وہ جو ماہتاب مثال ہے
اسے پانا کل بھی محال تھا
اسے پانا اب بھی محال ہے

O

صبح سے شام ہوئی آج اسی الجھن میں
میرے ایک دوست کی صورت تھی میرے دشمن میں

سوچتا تھا کہ بھری دھوپ میں سایہ دے گا
میں نے ایک پیڑ لگایا تھا کھلے آنگن میں

آئینہ خانۂ حالات ہیں میرے اشعار
میرا ہر دور نظر آئے گا میرے فن میں

آج احساس ہوا شاخ ثمر دار بھی ہے
ایک پتھر جو گرا آ کے میرے آنگن میں

شعر پردہ بھی ہے کردار کا آئینہ بھی
دیکھنا ہو تو مجھے دیکھ لو میرے فن میں

غور طلب

سنا ہے اس نے کسی اور کی طرف دیکھا
اُسی نگاہ سے جو مجھ پہ مہرباں تھی کبھی
یہ بات غور طلب ہے مگر میں سوچتا ہوں
وہ کون تھی جو مری رات میہمان رہی
یہ خود غرضی ہے کہ اس کی حق طلبی؟

کراچی

عجیب شہر ہے ۔۔۔ خدا کا قہر ہے
ہر ایک آدمی ۔۔۔ متاعِ زندگی
لٹا رہا ہے یوں ۔۔۔ کہ جیسے اسکا خوں
بدن کا بوجھ ہے ۔۔۔ وطن کا بوجھ ہے

عجیب دور ہے ۔۔۔ فضا ہی اور ہے
نگہ میں قہر ہے ۔۔۔ دلوں میں زہر ہے
جو اہلِ دین ہیں ۔۔۔ منافقین ہیں
جو خرقہ پوش ہیں ۔۔۔ وہ دیں فروش ہیں

عجیب لوگ ہیں   زمیں کا روگ ہیں
خدا کے نام پر   جلا رہے ہیں گھر
کہ جیسے ہر مکاں   ہے نقشِ رائیگاں
کہ جیسے یہ زمیں   خدا کا گھر نہیں

عجیب رنگ ہے   عجیب ڈھنگ ہے
کہیں تو کیا کہیں   سنیں تو کیا سنیں
چراغ بجھ گئے   دماغ بجھ گئے
نہ حرف و صوت ہے   جو ہے سو موت ہے

خدا کہاں نہیں
مگر یہاں نہیں

میں اور تو

میں نے جس طرح تیرے تن کی عبادت کی ہے
اُس سے کچھ بڑھ کے تیری روح کو چاہا میں نے
تیری کشتی کو کنارے سے لگایا جس نے
دل نے روکا مگر اُس نوح کو چاہا میں نے

تجھ کو معلوم ہے میں کتنا ہوں توحید پسند
تو مگر کثرتِ جلوہ کی تمنائی ہے
تیرا چہرہ ہر اک آئینے میں آتا ہے نظر
تو خدا کی طرح تنہا ہے، پہ ہرجائی ہے

وداع

میں اُس کو بیمار چھوڑ آیا
سفر یہ بدبخت کس قدر تھا
کہ راہ میں ایسا موڑ آیا
خود اپنے سینے پہ رکھ کے پتھر میں اپنا دلدار چھوڑ آیا

وہ آنکھ در پر لگی ہوئی سی
وہ کان دستک کے منتظر سے
وہ دل کی دھڑکن رکی ہوئی سی
عجیب عالم میں اپنا پیمان، اپنا اقرار چھوڑ آیا

یہ وقت جو بھی گزر رہا ہے
اسے خبر کیا کہ میرے اندر
یہ دل ہے زندہ کہ مر رہا ہے
میں اپنے دل کی ہر ایک دھڑکن، ہر ایک پندار چھوڑ آیا

یہ وقت کٹنے کو کٹ گیا ہے
مگر میرا پیار جانتا ہے
کہ کتنے ریزوں میں بٹ گیا ہے
کہ ساتھ لے کر گیا تھا کیا اور کیا دلِ زار چھوڑ آیا

○

تم ہو بے گھر اور ہم ہیں اپنے گھر میں اجنبی
اس جہاں میں سب ہیں حرفِ مختصر میں اجنبی

خواب بن کر جس کی آنکھوں میں رہے ہوں عمر بھر
آج ٹھہرے اس کی چشمِ معتبر میں اجنبی

ہم وطن، ہم مدرسہ، ہم عمر اب ملتے ہیں یوں
مل رہے ہوں جس طرح راہِ سفر میں اجنبی

ہجرتی تم بھی وہاں ہو، ہجرتی ہم بھی یہاں
سوچیے تو سب ہیں ہم اپنی نظر میں اجنبی

رخصتی

(اپنی پیاری بھتیجی صباحت منصور کے لیے)

عجیب ساعت ہے یہ بھی اے دل، خوشی و غم ساتھ ساتھ آئے
لبوں پہ رقصاں خوشی کی کرنیں تو زیرِ مژگاں ہیں غم کے سائے

میں کس طرح یہ کہوں ’صباحت‘ کہ یہ تمہارا مکاں نہیں ہے
جنہیں تم اپنا سمجھ رہی تھیں ہیں اب تمہارے لیے پرائے

یہ رشتۂ خوں جو بھائی بہنوں کے روپ میں مسکرا رہا ہے
وہ اشک ہے جو ستارہ وار آنکھ میں چمکتے ہی ٹوٹ جائے

یہ گھر کہ جس میں تمہارا بچپن، ہمک ہمک کر جواں ہوا ہے
اسے تم اب ایسا خواب سمجھو جو اپنی تعبیر خود نہ پائے

مری بھتیجی، تمہاری دنیا، تمہاری منزل بدل چکی ہے
تم اپنی منزل کی سمت جاؤ مری دعاؤں کے سائے سائے

جو ہے رفیق سفر تمہارا، وہی رفیق حیات بھی ہے
حیات کی رہگزر پہ رہنا اسی سے اپنے قدم ملائے

یہی محبت کی آبرو ہے، یہی ہے انسانیت کی عظمت
ہر ایک مشکل میں ساتھ دینا کوئی بھی مشکل مقام آئے

رہِ وفا میں مری بھتیجی، رہو سدا کہکشاں بدامن
بہار بھر بھر کے تشتِ گل سے قدم قدم نکہتیں لٹائے

خدائے برتر، ہمارے بچوں کو اپنی رحمت سے شاد رکھنا
یہ گھر جو آباد ہو رہا ہے، سدا اسے بامراد رکھنا

ایک نظم

ہم اُس آدم کے بیٹے ہیں
جو اپنی ایک حوا کے لیے جنت کو چھوڑ آئے
خدا کا ہر غم وغصہ سہا
ہر اِک سزا کاٹی
مگر حوا کو دل کے پاس رکھا
اور پھر اس کی رفاقت میں
یہ دنیا۔۔۔
یہ پہاڑوں اور دریاؤں
درندوں اور پرندوں
دشت وصحرا اور سمندر سے بھری دنیا
جہاں زہریلے وحشی جانور بھی تھے
جہاں ہر ہر قدم پر موت کا خطرہ تھا
اس کو اپنی حوا کے لیے جنت بنا ڈالا
ہم اُس آدم کے بیٹے ہیں

غمِ معراج

(اپنی رفیقِ حیات معراج نسیم کی یاد میں)

گرچہ آئینہ در آئینہ ہے ہر سو رُخِ دوست
ایسا تنہائی کا عالم ہے کہ جی جانتا ہے

حمایت علی شاعر

۲۱/نومبر۲۰۰۲ء

(تاریخ وفات)

۲۱ /نومبر ہے وہ تاریخ کہ جس دن
دنیائے محبت میری برباد ہوئی تھی
آباد مجھے دیکھ کے تقدیر کے ہاتھوں
مجھ پر کسی بے درد کی بیداد ہوئی تھی
دنیا کے دہکتے ہوئے دوزخ سے بچانے
مائل بہ کرم، جنت شداد ہوئی تھی

اِس عمر میں اُس شخص کو چھینا گیا مجھ سے
جو مجھ میں مری روح کی مانند مکیں تھا
جو اپنا جواب آپ تھا جو اپنی مثال آپ
اس جیسا تو کوئی بھی زمانے میں نہیں تھا
میں آئینہ اُس کا تھا، وہ آئینہ تھا میرا
میرے لئے قدرت کا وہ انعام حسیں تھا

معراج، وہ اِک نام، بلندی کی علامت
جس نام نے مجھ خاک نشیں کو کیا اعلیٰ
جو شمع کی مانند فروزاں رہا مجھ میں
جس نے مجھے مایوس اندھیروں سے نکالا
اِک منزل بے نام کی جانب تھا رواں میں
نام اس کا رکھا اس نے محبت کا شوالہ

ائے قادر مطلق، تجھے معلوم ہے سب کچھ
اس دہر میں کس کس طرح مر مر کے جیئے ہم
اس ملک خدا داد میں کیا دکھ نہ اٹھائے
جو تو نے دیئے، ہم نے وہ ہنس ہنس کے سہے غم
تجھ سے بھی کبھی بھیک نہ مانگی گئی ہم سے
اونچا ہی رکھا ہم نے ترے نام کا پرچم

تو نے جو صلہ ہم کو دیا، یاد رہے گا
وہ قرب، یہ دوری، یہ کرم ہے کہ ستم ہے
میں بھی یہاں تنہا ہوں، وہ پکرنگ ٥ میں تنہا
اس کو بھی وہی غم ہے، یہاں جو مجھے غم ہے
جو اُس پہ گزرتی ہے، تجھے علم ہے اس کا
تو دیکھ رہا ہے کہ میری آنکھ بھی نم ہے

٥ ٹورانٹو (کینیڈا) کا قبرستان

زندگی کے آخری لمحات

آج تم جاں کنی کے عالم میں
سانس لیتی تھیں اِک کراہ کے ساتھ
دیکھنا چاہتی تھیں ہر چہرہ
کتنی بے اختیار چاہ کے ساتھ

آنکھ کھلتی بھی تھی تو پل بھر کو
ہونٹ ہلتے، لرز کے رہ جاتے
دل میں جو بات مضطرب ہوتی
چند آنسو ڈھلک کے کہہ جاتے

جز مرے کوئی بھی نہ سن پاتا
دل سے دل تک جو بات آتی تھی
رُکتی چلتی ہر ایک سانس کے ساتھ
آس بندھتی تھی، ٹوٹ جاتی تھی

تم نے کس کرب سے گزارے تھے
زندگی کے وہ آخری لمحات
سوچتا ہوں تو کانپ جاتا ہوں
کتنی بے بس ہے آدمی کی ذات

کاش یہ درد بانٹ سکتے ہم
کاش کچھ درد، میں بھی سہہ جاتا
کاش تنہا نہ میں یہاں آتا
کاش 'پکرنگ' ہی میں رہ جاتا

معراجِ غم

(اپنی رفیقہ حیات معراج نسیم کی تدفین پر)

اے کینیڈا کی خاک، امانت ہے تیرے پاس
میری متاعِ عشق، مری دولتِ ثبات
میری بہشت خواب، مری کائناتِ دل
میری تمام عمر، مرا حاصلِ حیات

آیا تھا میں یہاں کہ مسیحا نفس ہے تو
دنیائے معجزات تری دسترس میں ہے
اک سرزمینِ علم ہے، مغرب کی ہر زمیں
'آبِ حیات' آج فقط تیرے بس میں ہے

لیکن وہ زندگی، جو مری زندگی بھی تھی
اس کو بچا سکی نہ مسیحائی بھی تری

سائنس کے تمام کرشموں کے باوجود
دیکھی ہے اپنی آنکھ سے پسپائی بھی تری

میری دعائیں بھی نہ کسی کام آ سکیں
یہ اعتقاد بھی فقط اک اعتقاد تھا
در پردہ اور ہی ہے کوئی ناخدائے وقت
بخت رسا بھی میرا بہت کم سواد تھا

موت آئی اور لے گئی سب کچھ سمیٹ کر
میں دیکھتا ہی رہ گیا پتھر بنا ہوا
میرا تھا کیا قصور، جو یہ دی گئی سزا
کیوں ڈھا دیا خدا نے میرا گھر بنا ہوا

کہنے کو کو سقف و بام بھی، دیوار و در بھی ہیں
لیکن جسے مکان کہیں، وہ مکاں نہیں
ایسے میں زندگی کا تصور کروں تو کیا
اب وہ مری زمین نہیں، آسماں نہیں

تا دور اِک خلا ہے، اندھیرا نہ روشنی
ٹھہرا ہوا ہے وقت، نہ دن ہے نہ رات ہے
اِک چہرہ، غم میں ڈوبا ہوا، روبرو، خموش
اِک قبر کا نشان، متاعِ حیات ہے

میں اپنے دل کا حال بیاں کس طرح کروں
آنکھوں سے اشک، لفظ سے معنی بچھڑ گئے
سب مجھ کو دیکھیں اور میں پکرنگ کی طرف
دو گز زمیں میں میرے سبھی خواب گڑ گئے

معراج، تیری قبر کی مٹی ہے میرے ساتھ
کیا جانے کب، کہاں میرا دل ساتھ چھوڑ دے
کیا جانے کب یہ خاک ملے میری خاک سے
کیا جانے کب یہ ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑ دے

تم

لوگ کہتے ہیں تم نہیں ہو یہاں
تم بہت دور جا چکی ہو اب
دور، اپنے خدا کے پاس کہیں
تم کہاں ہو یہاں، کہیں بھی نہیں

لوگ ناداں ہیں، کیا خبر اِن کو
جب خدا میرے دل میں رہتا ہے
تم بھلا کیوں وہاں نہیں ہو گی
کیسے مانوں، یہاں نہیں ہو گی

میری نزدیک، میرے گردو و پیش
میرے خوابوں، میرے تصور میں
میرے دل میں، مری نگاہوں میں
میرے ہونٹوں پہ، میری باہوں میں

تم خدا کی طرح ہو میرے پاس
تم، کہ میری طرح ہو میرے پاس

گہوارہ

(ہمارے مکان کا نام)

معراج، تمہیں یاد ہے وہ گھر جسے ہم نے
برسوں میں بڑی چاہ سے تعمیر کیا تھا
پھر فخر سے بچوں کی طرف دیکھ کے اک دن
نام اس کا بڑے پیار سے ''گہوارہ'' رکھا تھا

اِس گھر میں اُسی پیار سے تم اب بھی ہو آباد
جس سمت میں دیکھوں، نظر آتی ہو اُدھر تم
کمروں میں نشستہ کبھی، آنگن میں خراماں
نزدیک ہی رہتی ہو مرے آٹھ پہر، تم

جادے سے مخاطب، کبھی مونا سے کوئی بات
تسنیم سے، اَوجے سے بھی ہنس بول رہی ہو
روشن جو ذرا دیر سے گھر آئے تو گُم سُم
مجھ کو مرے شعروں میں کبھی تول رہی ہو

گڑیا ہو کہ روبی ہو، تمہیں فکر ہے سب کی
یاد آئے شجیعہ کبھی فرحین و ثمینہ
ذُجّو کا تبسم، کبھی بِلّو کی شرارت
فیری کبھی زویا کبھی سارا کبھی بینا

عینی ہو کرن ہو کہ طلال اور ثناء ہو
ساحر ہو عدیل، آذر و خرم ہو کہ فواز
ہر بچہ فدا تم پہ ہے، تم اُن پہ فدا ہو
ہمراز ہو تم اُن کی، تمہارے ہیں وہ ہمراز

مسعود و شفیق اور وسیم اور کبھی انور
تم سب کے لئے رہتی ہو ہر لمحہ دُعاگو
احسان میں دل ہے تو محمد پہ نظر ہے
آنکھوں میں ہے، نیویارک، ونی پیگ وٹورنٹو

شاداب ہو ہانی ہو کہ نیہا ہو کہ جمنا
دن رات سبھی رہتے ہیں اطراف تمہارے
لیکن وہ فراز، اپنا وہ محبوب نواسہ
سچ پوچھو تو تم زندہ رہیں جس کے سہارے

جس کے لیے تم آج اس گھر میں مکیں ہو
دیکھو مری آنکھوں سے، ہر اِک سمت تمہیں ہو
دیواروں پہ آویزاں ہے تصویریں تمہاری
پکرنگ میں گھر ہے، مگر آباد یہیں ہو

اشاریہ

۱۔جاوداں میر (بیٹی) ۲۔غزالاں حمایت (بیٹی) ۳۔تسنیم ہاجرہ (بہو) ۴۔اَوجِ کمال (بیٹا)
۵۔روشن خیال (بیٹا) ۶۔زرافشاں سید (بیٹی) ۷۔فروزاں علی (بیٹی) ۸۔شجیعہ اقبال (بہو)
۹۔فرحین جمال (بہو) ۱۰۔ثمینہ روشن (بہو) ۱۱۔ذوالجمال (بیٹا) ۱۲۔بلند اقبال (بیٹا)
۱۳۔فریال (پوتی) ۱۴۔زویا خان (نواسی) ۱۵۔سارا بانو (نواسی) ۱۶۔بینا مسعود (نواسی)
۱۷۔عینی شگفتہ (نواسی) ۱۸۔کرن الماس (نواسی) ۱۹۔طلال روشن (پوتا) ۲۰۔ثناءٔ مسعود (نواسی)
۲۱۔ساحر شفیق (نواسا) ۲۲۔عدیل الدین (نواسا) ۲۳۔آذر شفیق (نواسا)
۲۴۔علی الدین خرم (نواسا) ۲۵۔فواز مسعود (نواسا) ۲۶۔مسعود رضوی (داماد)
۲۷۔شفیق الزماں (داماد) ۲۸۔وسیم خان (داماد) ۲۹۔انور الدین (داماد)
۳۰۔احسان علی خان (نواس داماد) ۳۱۔محمد محی الدین (نواس داماد) ۳۲۔محمد کا شہر
۳۳۔احسان اور بلند اقبال کے شہر ۳۴۔ثمینہ، روبی، مسعود، ذوالجمال، فرحین، بینا، ثنا اور فواز کے شہر ۳۵۔شاداب کمال (پوتی) ۳۶۔ہانی کمال (پوتی) ۳۷۔نیہا کمال (پوتی)
۳۸۔منہ بولی بیٹی ۳۹۔فراز مسعود (نواسا) ۴۰۔قبرستان کا نام

معراج کے نام

سنو معراج، بِلّو ° کا ابھی اِک فون آیا تھا
وہ کہتا تھا کہ اپنی ماں پہ کچھ اُس نے بھی لکھا ہے
کوئی مضمون، کچھ اشعار یا پھر کوئی افسانہ
جو اُس نے لکھ رکھا ہوگا مجھے اندازہ اُس کا ہے
وہ کہتا تھا، تمہاری یاد کو محفوظ کر دوں میں
ہر اِک تحریر، ہر تصویر، گھر میں جو بھی رکھّا ہے
وہ آرائش کی سب چیزیں وہ کپڑے وہ کھلونے سب
جنہیں تم نے بہت ہی پیار سے گھر میں سجایا ہے
اِدھر جو بھی تمہاری یاد میں لکھا گیا اب تک
وہ آنسو بھی، جو سب روتی ہوئی آنکھوں سے ٹپکا ہے
تمہاری ایک اِک شے کی حفاظت چاہتا ہے وہ
تمہیں معلوم ہے، وہ تم سے کتنا پیار کرتا ہے
تمہاری آرزو تھی، ڈاکٹر بن جائے میرا لال

وہ اب ہے ڈاکٹر، لیکن بہت ہی نرم دل کا ہے
اُسے شعر و ادب سے بھی تمہاری طرح رغبت ہے
کبھی ہے فیض نظروں میں، کبھی غالب کو پڑھتا ہے
تمہیں معلوم ہے تم سے بچھڑ کر اُس پہ کیا بیتی
وہ پتھر کی طرح چپ ہے، نہ ہنستا ہے نہ روتا ہے
عجب سکتے کا عالم اِس پہ طاری ہے، مہینوں سے
مسلسل سوچتا رہتا ہے اور خاموش رہتا ہے
اب اُس کی خامشی ٹوٹی تو یہ اُس نے کہا مجھ سے
مرے ڈیڈی، یہ گھر تو میری امی نے بنایا ہے
خبر ہے آپ کو بھی، اُن کو کتنا پیار تھا ہم سے
انہوں نے اپنے گھر کا نام ہی ''گہوارہ'' رکھا ہے
یہ میری آرزو ہے، اِک کتاب ایسی مرتب ہو
جو میری ماں کی دنیا تھی، جو میری ماں کی دنیا ہے

°ڈاکٹر بلند اقبال (ہمارا سب سے چھوٹا بیٹا)

تمہارے بعد

آج میں سو سکا نہ ساری رات
آج تم رات بھر تھیں میرے ساتھ
تم مجھے دیکھتی تھیں، میں تم کو
ہم نے آپس میں کی نہ کوئی بات
دل میں جو کچھ تھا، ہم پہ روشن تھا
کس قدر تھے عجیب وہ لمحات

خامشی گفتگو سراپا تھی
دل کی دھڑکن میں ساز بجتے رہے
دور بجتی رہی تھی شہنائی
آنکھوں آنکھوں میں خواب سجتے رہے
روح میں ہو رہی تھی بارش سی
اور بادل کہیں گرجتے رہے

ایک اِک لمحہ بیتے جیون کا
آکے بیٹھا ہوا تھا اپنے پاس
سارا ماضی تھا اپنی آنکھوں میں
زندگی آ گئی تھی کتنی راس
کس قدر مطمئن تھے ہم دونوں
ایک لمحہ بھی ہم رہے نہ اُداس

کس کو ایسی وفا ملی ہو گی
کون خوش بخت اس قدر ہو گا
کس کو معلوم تھا اُجڑ کے بھی
اتنا آباد اپنا گھر ہو گا
ساتھ چھوٹا نہیں بچھڑ کے بھی
کس کا پیار اتنا معتبر ہو گا

تم تو جا ہی چکی ہو دنیا سے
میں بھی کچھ دن میں آنے والا ہوں
مجھ پہ جو کچھ گزر رہی ہے یہاں
تم کو سب کچھ سنانے والا ہوں
زندگی کو تو آزما ہی چکا
موت کو آزمانے والا ہوں

لوگ کہتے ہیں

لوگ کہتے ہیں، حمایت وہ حمایت نہ رہا
اُس کا پہلا سا وہ اندازِ طبیعت نہ رہا
اُس کی باتوں میں جو بے نام کشش تھی، نہ رہی
اُس کے الفاظ میں وہ حسنِ لطافت نہ رہا
نہ وہ بے ساختہ فقرے، نہ وہ ہنستا چہرہ
اُس کے اندر تھا جو اِک رنگِ ظرافت، نہ رہا
کوئی موضوع ہو، کہنے کی وہ بے لاگ روش
بے نیازانہ وہ اظہار صداقت، نہ رہا
نہ وہ بے باکیِ افکار، نہ آہنگِ بلند
اپنے ماحول سے وہ طرزِ بغاوت نہ رہا

نہ وہ یارانے رہے اُس کے، نہ وہ دوستیاں
ایسا لگتا ہے اُسے شوقِ رفاقت نہ رہا
لوگ کہتے ہیں کہ وہ ہو گیا دنیا بیزار
زندگی سے تھا جو اِک جذبۂ رغبت نہ رہا

ٹھیک کہتے ہیں سبھی، بات وہ اِک دَور کی تھی
مجھ میں جو کچھ بھی تھی خوبی، وہ کسی اور کی تھی

مرا ایوارڈ

مرے کمرے میں جو ایوارڈ رکھے ہیں
(جو اِک شوکیس میں تم نے سجائے تھے)
اُنہیں کے درمیاں میں نے
تمہاری اِک حسیں تصویر بھی رکھی تھی
تم کو یاد ہے نا؟
مرا سب سے بڑا ایوارڈ تو تم تھیں
مرا سب سے بڑا اعزاز تو تم تھیں
جو مجھ کو میرے اللہ نے دیا تھا
مگر اب تم نہیں ہو
مرا ایوارڈ واپس لے لیا میرے خدا نے
مرا سب سے بڑا اعزاز مجھ سے چھن گیا ہے
مگر تصویر.....!
وہ تو میرے کمرے میں رکھی ہے

مجھے جو غم ملا ہے
وہ تو اِس تصویر کی صورت
مری آنکھوں میں، میرے دل میں بستا ہے
یہ غم میری محبت کی علامت ہے
مرا عہدِ رفاقت ہے
کوئی اِس غم کو مجھ سے چھین سکتا ہے؟
مرا سب سے بڑا ایوارڈ، یہ غم ہے
مرا سب سے بڑا اعزاز، یہ غم ہے

معراج سے کچھ باتیں

آؤ معراج آؤ، کیسی ہو؟
کیا وہاں بھی، یہاں کی جیسی ہو؟
تم تو اپنوں میں گھِر گئی ہو گی
کتنے سپنوں میں گھر گئی ہو گی
باوا حضرت، تمہاری امی جان
میری ناجی، وہ میری دادی جان
آپا جان اور تمہارے دولھا بھائی
(اور جس نے بھی وہ حیات اپنائی)
وہ سبھی ۔ جو یہاں رہے مہمان
ہاں وہ بیٹی، وہ اپنی ننھی جان
جس کا نام ''آسمان'' رکھا تھا
کیا یقیں میں گمان رکھا تھا
کتنی جلد اُس کا اُٹھ گیا سایہ

میں اُسے دیکھ بھی نہیں پایا
میں یہاں تھا تو وہ تھی بھارت میں
دیکھو یہ بھی لکھا تھا قسمت میں
میری امّاں بھی ہیں وہاں معراج
تم نے دیکھا اُنہیں کہاں معراج!
مجھ کو بھی اُن کا چہرہ یاد نہیں
بچپنا بھی رہا ہے یاد کہیں؟
میں تو بس تین سال ہی کا تھا
کب سے دنیا میں ہوں اکیلا سا
اِک بہن تھی، دو ایک سال بڑی
وہ بھی اللہ کو ہو گئی پیاری
اب تو ابّا بھی جا چکے ہیں وہاں
اور میری وہ ''دوسری امّاں''
تم تو اُن کی بہت چہیتی تھیں
تم تھیں زندہ، تو وہ بھی جیتی تھیں

اب تو وہ بھی وہاں ہیں، تم بھی وہاں
اُن کی خدمت کرو بہت ہی وہاں
جتنا آرام تم اُنہیں دو گی
میری امّاں کی بھی دُعا لو گی
میری امّاں، تمہاری ''پہلی ساس''
تم سے ہو گی بہت ہی اُن کو آس
تم بھی یہ بات دھیان میں رکھنا
اِک توازن اُڑان میں رکھنا
ساس وہ بھی ہیں، ساس یہ بھی ہیں
خاص وہ بھی ہیں ، خاص یہ بھی ہیں
فرق دونوں میں کچھ نہیں رکھنا
اُن سے برتاؤ دل نشیں رکھنا
''دونوں ساسوں'' کے ساتھ سارے لوگ
میرے ہوں یا کہ وہ تمہارے لوگ
سب ہی تم سے وہاں ملے ہوں گے

سب کے دل پھول سے کھلے ہوں گے
تم سے تو سب ہی پیار کرتے تھے
جان اپنی نثار کرتے تھے
کیا وہ سب منتظر تمہارے تھے؟
کچھ یہاں بھی تو اُن کے پیارے تھے
میں بھی تو اُن کو یاد کرتا ہوں
دل کو یادوں سے شاد کرتا ہوں
سب میں رہ کر بھی ہوں یہاں تنہا
ایسا ہو گا کوئی، کہاں تنہا!
کاش میرا بھی انتظار کریں
اور تم جیسا، مجھ سے پیار کریں

مبارک ہو

(معراج سے)

تمہیں مبارک، بہت مبارک
تمہارا بیٹا .....
تمہارا اَوجِ کمال .....
وہ منتوں، مُرادوں، دُعاؤں والا
وہ اپنے اللہ سے بڑی اِلتجاؤں والا
ہمارا بیٹا
اُسے بھی اللہ نے نوازا ہے
ایک بیٹے کا باپ اب وہ بھی بن گیا ہے
(اب اُس کی بھی تین بیٹیاں ہیں اور ایک بیٹا)

تمہیں وہ دن بھی ہیں یاد معراج
ہم بھی اکثر یہ سوچتے تھے

ہماری بھی تین بیٹیاں تھیں اور ایک بیٹا
ہمارا روشن خیال.....

اور ہم دعائیں کرتے تھے.....
ایک بیٹے سے اور اللہ نواز دے تو
ہم اُس سے کچھ بھی، کبھی نہ مانگیں گے زندگی بھر
(مگر یہ اُس کا کرم کہ اُس نے کچھ اور بچّوں سے بھی نوازا)

تمھیں تو معلوم ہے کہ میں بھی تھا اپنی امّاں کا ایک بیٹا
میں زندگی بھر رہا اکیلا
میں چاہتا تھا کہ میرے روشن خیال کی زندگی میں وہ دن کبھی نہ آئے
جو میری تقدیر بن گیا ہے

خدا نے میری دعائیں سن لیں
اور اپنے چھوٹے سے گھر میں اَوجِ کمال آیا
ہمارا ''گہوارہ'' جگمگایا

ہمارے روشن خیال کا بھی ہے ایک بیٹا
طلال روشن.....
ہماری یہ آرزو تھی.....
تم بھی دُعا بہ لب تھیں
اُسے بھی مل جائے ایک بھائی
دُعا تمہاری قبول کر لی مرے خدا نے
ہمارے چھوٹے سے گھر میں عارج کمال آیا
ہمارا ''گہوارہ'' جگمگایا

(تم اُس کو بھی کاش دیکھ پاتیں)
(تم اُس کو بھی کاش.....) خیر! اب تم
دعا کرو کہ یہ دونوں بھائی۔ طلال و عارج
ہمیشہ گہوارۂ محبت میں جسم و جاں کی طرح رہیں گے
ہمیشہ اِک دوسرے کا سایہ بنے رہیں گے

تصویروں سے باتیں

مرے کمرے کی دیواروں پہ تصویریں ہیں جتنی
سب تمہاری ہیں

اُنہیں میں اِک حسیں تصویر وہ بھی ہے
جو اکاّون میں تم نے انڈیا سے مجھ کو پاکستان بھیجی تھی
وہی تصویر جب، تم دو برس کی ایک دلہن.....اِک بہو تھی
اور اِک بیٹی کی امّاں بھی
وہی تصویر اب انلارج کر کے میں نے کمرے میں لگا دی ہے

ہماری زندگی کی یادگار
اِک گُم شدہ ساعت کا عکسِ غیر فانی

نوجوانی کا وہ اِک لمحہ
بہت ہی خوبصورت لمحۂ ساکت
جو اپنے دامنِ رنگیں میں اٹھاّرہ برس کی ایک لڑکی کو
خدا کی اِک امانت کی طرح محفوظ رکھے
مجھ کو ماضی کی جھلک دکھلا رہا ہے

تم تو باوَن میں یہاں آئی تھیں
اور اِک جھونپڑی کو اپنی قسمت جان کر رہنے لگی تھیں
کہاں سے تم کو لا کر کس جگہ میں نے بسایا تھا!
اِسے قسمت کہو یا وقت کی بے اعتنائی
رہنماؤں کی سیاست یا کہ ہجرت کی عطا
کچھ بھی کہو.....
میں نے بہت ہی ظلم یہ تم پر کیا تھا
تم سے شرمندہ ہوں، ساری عمر شرمندہ رہوں گا

مرے کمرے میں اِک تصویر وہ بھی ہے
کہ جس میں گاؤں کی گوری نظر آتی تھیں تم مجھ کو

میں جب بھی چھیڑتا تم کو
تو کتنے فخر سے اپنا دوپٹہ سر پہ لے کر
اِک ادائے خاص سے تم مجھ سے کہتی تھیں
''میں اپنی اصلیت پر ہوں، مرے اندر مرا گاؤں
ابھی تک زندہ ہے، دیکھو''
اُسی دن ہم نے سوچا تھا کہ ہندوستان جائیں گے
اور اپنے گاؤں کو دوبارہ دیکھیں گے
تمہارا پاسپورٹ آیا تو اُس پر بھی وہی تصویر چسپاں تھی
اُسی تصویر کو انلارج کر کے میں نے کمرے میں لگایا ہے
''یہ میرے گاؤں کی گوری ہے''
اُس کے فریم میں میری بھی وہ تصویر ہے
جو تم نے میرے پہلے مجموعے کی خاطر منتخب کی تھی
اُسی کو دیکھ کر، کچھ سوچ کے تم نے کہا تھا
''آگ میں پھول''
''آپ کے مجموعے کا یہ نام کیسا ہے؟''
''بہت ہی خوب! اپنے عہد، اپنی زندگی کا ترجماں ہے یہ''
مرا مجموعہ سَن چھپّن میں آیا تھا

تمھیں تو یاد ہے نا؟

اِدھر دیکھو
یہ اِک تصویر ..... تم کرسی پہ بیٹھی ہو
اُسی کو میں نے اپنے مختلف ایوارڈ
اعزازات اور تمغوں کے بیچ
اِس طرح رکھا ہے
کہ جیسے تم بھی اِک ایوارڈ ہو میرا
غلط بھی تو نہیں ہے یہ
مرا سب سے بڑا ایوارڈ تو تم تھیں
مرا سب سے بڑا اعزاز تو تم تھیں
(اِسی عنوان سے اِک نظم بھی اب میں نے لکھی ہے)
تم اِس کرسی پہ کتنی شان سے بیٹھی ہو
چہرے پر جو اِک سنجیدگی ہے، اک متانت ہے
تمہاری فتح مندی کی علامت ہے
مجھ ایسے آدمی کو تم نے اِک ''انساں'' بنایا ہے.....
یہ کچھ کم کارنامہ ہے؟

تمہاری ہی رفاقت میں مجھے سب کچھ ملا ہے
علم، عزت اور شہرت.....
اور خوشحالی
ہمارے گھر کی بوڑھی عورتیں کہتی ہیں
بچّے مرد کی قسمت سے ہوتے ہیں مگر دولت.....
یہ دولت تو فقط بیوی کی قسمت سے ملا کرتی ہے شوہر کو
سو بیوی کا مقدّر رنگ لایا
میں نے جو اِک فلم کے نغمے لکھے تھے، ہٹ ہوئے ایسے
کہ میں اِک ''فلمی شاعر'' بن گیا اور ریڈیو کی نوکری تج دی
بہت مقبول جب ہونے لگے نغمے
تو میں نے ڈائیلاگ اور پردۂ سیمیں کے منظر نامے بھی لکھّے
میں فلمیں بھی بناتا اور ہدایت کار بھی ہوتا
کئی ایوارڈ مجھ کو مل چکے تھے
میری فلمیں بھی سُپر ہٹ تھیں
تمہیں تو یاد ہے نا؟
آج جس کرسی پہ تم بیٹھی ہوئی ہو
یہ ہماری خوش نصیبی کی علامت ہے

اب اِس تصویر کو دیکھو
جو دروازے کے اُوپر ہے
یہ ہم دونوں کی وہ تصویر ہے جب ہم بہت ہی مطمئن تھے
اور ''اپنے گھر'' میں رہتے تھے
یہ ''گہوارہ'' جو ہم نے سَن پچھتّر میں بنایا تھا
ہماری محنتوں کا پھل ہے
میں نے فلمی دنیا چھوڑ دی تھی اور اپنی ''مادرعلمی'' کے
قدموں میں (نشستہ) طالبانِ علم کی تدریس میں
مصروف رہتا تھا
اِسے یوں کہیے، اپنی ذات کی تجدید، اپنے آپ کی تکمیل
میں مصروف رہتا تھا
ہماری بیٹیاں، بیٹے بھی اب تعلیم کے اعلیٰ مدارج سے گزر کر
اپنے اپنے گھر کے ہوتے جا رہے تھے
ہم نے اپنا فرض پورا کر دیا
دیکھو، ہمارے چہرے اپنے دل کا آئینہ ہیں
دیکھو تو.....
تمہارے لب پہ کیسی پُرمسرّت فاتحانہ مسکراہٹ ہے

میں اب تنہا... اکیلا ہوں تو کیا

تم سے بچھڑ کر بھی تمہارے ساتھ رہتا ہوں
مرے کمرے کی دیواروں پہ تصویریں ہیں جتنی
سب تمہاری ہیں

ایک تصویر سے

تم ایک تصویر میں ہو مجھ سے خفا خفا سی
مری طرف سے نگاہ پھیرے
کچھ ایسے بیٹھی ہو جیسے مجھ سے کوئی شکایت ہے.....
میری کچھ عادتیں تو تم پر گراں گزرتی ہیں
(مجھ کو اندازہ ہو گیا ہے)
جو ہو سکے تو
بس ایک شاعر سمجھ کے مجھ کو معاف کر دو
میں تم سے شرمندہ ہوں ..... کروں کیا!
کہ ہم سے شاعر
خدا کے ناکارہ کارخانے سے ڈھل کے نکلے ہیں
کتنی کمزوریاں ہیں ہم میں.....
کسی بھی شاعر کی زندگی کو کہیں سے دیکھو
سبھی میں میرا ہی عکس تم کو دکھائی دے گا

(مگر خدا اپنے خاص بندوں پہ کچھ زیادہ ہی مہرباں ہے)
تم ایسی بیوی مجھے عطا کی
سبھی کو ایسی ہی بیویاں اُس نے دی ہیں شاید
وہ کوئی غالب ہو یا کہ اقبال
فیض ہو یا فراز کوئی
خدا نے اُس مال سے نوازا ہے
جو الگ باندھ کر رکھا تھا
جو سب سے اچھا تھا ..... سب سے پیارا

وہ آج جب کھو گیا ہے مجھ سے .....
تو اپنی قسمت کو رُو رہا ہوں
تمہیں دوبارہ تو وہ نہ بھیجے گا
(اُس کے بس میں ہی یہ نہیں ہے)
مگر وہ مجھ کو بلا تو سکتا ہے.....
مجھ کو اُس جا تو بھیج سکتا ہے

تم جہاں ہو
دُعا کرو، ہم وہاں پہ پھر ایک ساتھ رہنے لگیں ہمیشہ
یقین مانو
میں اب بہت کچھ بدل گیا ہوں

ردِّعمل

تمہیں خبر ہے؟
تمہارے بیٹے، تمہارے روشن خیال نے
کیا کیا ہے گھر میں؟
تمہاری اِک مسکراتی تصویر ایک دیوار پر لگا دی ہے
اور گھر کا ہر ایک منظر بدل دیا ہے
وہ گھر ..... اُداس اور خموش سا گھر
اِس اِک تبسم سے کِھل اُٹھا ہے
جدھر بھی دیکھوں
ہر ایک شئے مسکرا رہی ہے
ہر ایک گوشے میں، ہر طرف جو سکوت طاری تھا
پھر سے کچھ بولنے لگا ہے
ہر ایک گلدان میں سبھی پھول

پھر سے محوِ سخن ہیں، آپس میں ہنس رہے ہیں
تمام اسٹیچو... ہر کھلونا مگن ہے اپنی شرارتوں میں
میں خود بھی ہنسنے لگا ہوں دیکھو
یہ آج کیا مجھ کو ہو گیا ہے؟
تمہاری آنکھوں میں جیسے میں بھی سمٹ گیا ہوں
میں اپنا غم بھول کر تمہاری نظر سے ہر شے کو دیکھتا ہوں
تمہاری تصویر
مسکراتی ہوئی یہ تصویر
زندگی کا پیام دینے لگی ہے مجھ کو
تمہارے ہونٹوں کا یہ تبسم
سبھی کو ہنسنا سکھا گیا ہے
خدا بھی شاید کہیں سے ہم سب کو دیکھ کر
مسکرا رہا ہے

فردوسِ گُم شدہ

میں تم کو ہر روز دیکھتا ہوں
تمہاری آنکھوں کو چومتا ہوں
تمہاری تصویر کے سہارے
میں اپنے ماضی میں گھومتا ہوں

وہ میرا ماضی جو حال بن کر
مری نگاہوں میں آ گیا ہے
جو لمحے لمحے میں بٹ کے میرے
نفس نفس میں سما گیا ہے

میں دیکھتا ہوں وہ رات اور میں
وہ حسنِ خوابیدہ ..... چاندنی میں
وہ سحر تھا، معجزہ تھا، کیا تھا
وہ جنت دیدہ، چاندنی میں

وہ ایک پیکر، وہ پیکرِ گُل
جو اپنی خوشبو سے بے خبر تھا
وہ آسماں کی تھی حور کوئی
کہ چاند کوئی زمین پر تھا

تمہیں تو شاید خبر نہیں ہے
وہ رات مجھ میں ٹھہر گئی ہے
ہر ایک منظر کو ساتھ لے کر
مرے بدن میں اُتر گئی ہے

مرا بدن، جس میں ایک دل ہے
وہ دل، وہ تنہا، اُداس، ویراں
وہ دل جو تم کو قریب پا کر
بنا ہوا تھا، بہار ساماں

وہ دل وہ آئینہ جس میں تم نے
کیا تھا سِنگھار زندگی کا
وہ گھر کہ جس کا ہر ایک گوشہ
تھا آئینہ دار زندگی کا

وہ گھر وہ حرفِ وفا کا مخزن
وہ 'گہوارہ' دو دلوں کا
وہ گھر وہ تعبیر خواب فردا
بہشت خوابوں کے سلسلوں کا

وہ گھر.. وہ فردوس.. جو زمیں پر
ہوئی تھی آباد کھو گئی ہے
وہ زندگی جو مِلی تھی تم سے
وہ مجھ سے پھر دُور ہو گئی ہے

معراج کے نام

میں کینیڈا سے کراچی میں آ گیا ہوں پھر
وہ شہر میری محبت کا جو امین بھی ہے
مری حیات، جو ہے محو خواب یکرنگ میں
مری حیات، مرے گھر میں جو مکین بھی ہے

میں اس کو دیکھتا رہتا ہوں صبح و شام یہاں
وہ اپنے بچوں میں دن رات ہے مگن کتنی
وہ کینیڈا ہو کہ امریکہ ہو کہ پاکستان
وہ ہر جگہ ہے مگر مجھ سے ہے لگن کتنی

یہاں بھی اس کے ہیں لختِ جگر وہاں بھی ہیں
وہ ایک ماں ہے، خدا کی طرح ہے ہر دل میں
وہ اپنی قبر میں آسودہ اپنے گھر کی طرح
چراغ راہ ہے لیکن ہر ایک منزل میں

وہی تو ہے جو مری ہم سفر ہے عمر تمام
وہی تو ہے جو مری زیست سے عبارت ہے
جو سب میں ہو کے بھی تقسیم 'ایک' ہے اب تک
جو اپنی ذات میں 'توحید' کی علامت ہے

ایک نئی خوشخبری

تمہیں خبر ہے؟
تمہاری ہر آرزو کی تکمیل ہو گئی ہے
تمہیں یہ غم تھا
ہمارے گھر میں 'طلال' اکیلا ہے
سو اسے بھی خدا نے ایک بھائی دے دیا ہے
ہمارا 'عارج'
طلال کی طرح ایک بے حد ذہین لڑکا
تمہاری ایک آرزو تھی یہ بھی
ہماری 'گڑیا' بھی ایک بیٹے کی ماں بنے
لو۔۔۔تمہاری یہ آرزو بھی اللہ نے پوری کر دی
ہماری گڑیا کے گھر میں ننھا سا ایک گڈا بھی آ گیا ہے
وہ ہے 'معارج'

سبھی کو 'معراج' ہی سے نسبت ہے
وہ معارج ہو یا کہ عارج
یہ سب تمہاری ہی یادگاریں ہیں

اپنے بلو کے گھر بھی ننھا سا ایک بیٹا خدا نے بھیجا ہے
نام اس کا 'جزیر' رکھا ہے
کہہ رہا تھا 'بلند' مجھ سے
کہ لفظ 'ترکی' ہے
اس کے معنی ہیں 'اہل ہمت، دلیر، اعلیٰ ارادوں والا'
پھر اس میں ایک اور بھی ہے خوبی
سنو تو 'انگلش' کا لفظ لگتا ہے
اس میں وہ 'غیریت' نہیں ہے
جو ہمارے ناموں سے جھانکتی ہے
وہاں یہ بچہ۔۔۔
'جزیر' اپنے وطن میں اور اپنی زمین پر اجنبی نہ ہوگا
زبان، تہذیب اور تاریخ اس کو اپنی اماں میں رکھے گی
ماں کی ممتا کی طرح اس پر نثار ہوگی

وعدہ خلافی

یہ تم نے کیا کیا معراج
اپنی آرزو پوری ہوئی تو
چپکے سے چل دیں
ہمارے درمیاں ایک عہد یہ بھی تھا
کہ ہم تم ساتھ دنیا میں رہیں گے
ساتھ ہی دنیا سے جائیں گے
مگر تم مجھ کو تنہا چھوڑ کر چل دیں
بڑی وعدہ خلافی کی۔۔۔

میں اب کتنا اکیلا ہوں
تمہیں اندازہ ہے اس کا؟
یہ ننھے ننھے بچے جب اکیلا مجھ کو پاتے ہیں
تو کس حیرت سے تکتے ہیں
وہ کیا کچھ سوچتے ہوں گے
ان آنکھوں میں عجب سا اک تجسس ہے
وہ مجھ میں ڈھونڈتے ہیں تم کو
جیسے تم میرے اندر چھپی بیٹھی ہو
میں کیسے انہیں سمجھاؤں
تم مجھ میں یقیناً ہو
مگر تم مجھ سے باہر آ نہیں سکتیں

آخری حسرت

سنو معراج
اللہ نے تمہاری ہر دعا سن لی
تمہاری ہر تمنا آج پوری ہوگئی ہے
کاش یہ لمحات تم بھی دیکھ پاتیں
کاش کچھ دن اور جی سکتیں

مجھ وہ لمحہ یاد آتا ہے
جب تم نے عشاء کے بعد اللہ سے دعا کی تھی
مرے 'اوجے'۔۔۔ مری 'گڑیا' کو تو نے
بیٹیوں سے تو نوازا ہے
انہیں ایک ایک بیٹا بھی عطا کر دے
مری یہ 'آخری حسرت' ہے
یہ سنتے ہی میں چلا کے بولا تھا
'یہ کیا کہتی ہو؟ حسرت آخری کیسی؟

ہمارے اور بھی بیٹے ہیں
سب کے واسطے تم کو دعائیں مانگنی ہیں
ماں ہو آخر تم
ابھی تو شادیاں ان کی ہوئی ہیں۔۔۔'
اور پھر ہنستے ہوئے میں نے کہا تھا
ہاں۔۔۔مگر تم تو ہو 'شیخانی'
کسی 'سیّد' سے کرواؤ سفارش، تو خدا بھی مان جائے گا
یہ جملہ میں نے اِترا کر، بڑے ہی فخر سے تم کو ستانے کے لیے
بے سوچے سمجھے کہہ دیا تھا
یاد ہے نا؟
تم کو غصہ آگیا تھا
تم بھی فوراً ایک شیخانی کے لہجے میں جواباً بول اٹھیں
'کیا خدا بھی آپ جیسا ہے؟
خدا بھی رنگ و نسل و قومیت میں بٹ گیا ہے؟'
میں نے فوراً ہاتھ جوڑے
اور سوری (Sorry) کہہ کے بولا
'تم تو سنجیدہ ہو گئیں، میں نے مذاقاً کہہ دیا تھا'

کاش تم بھی آج ہوتیں
تم بھی یہ دن دیکھ پاتیں
کاش کچھ دن اور جی سکتیں
تمہارے بعد 'عارج' آگیا
'کورین' آئی
پھر 'جزیر' اور پھر 'معارج'
(تین بیٹے۔۔۔ایک بیٹی)
سب کا دامن بھر دیا اللہ تعالیٰ نے

جو تم ہوتیں تو سب کو پیار کرتیں
میرے کمرے میں سب بچوں کی تصویریں
تمہاری اک 'حسیں تصویر' کے ساتھ
اس طرح رکھی ہیں
جیسے سب تمہارے پاس بیٹھے ہیں

قطعات

اب یہ تنہائی تو ہے میرا مقدر یارب
پھر میں کیوں اتنا پریشان رہا کرتا ہوں
جب بھی جی چاہتا ہے اس سے کوئی بات کروں
اس کی تصویر سے وہ بات کہا کرتا ہوں

O

اپنی تصویر میں وہ دیکھ رہی ہے مجھ کو
اس کے ہونٹوں پہ ہے اک خاص تبسم بھی کہیں
وہ تبسم کہ جو آئینہ ہے اس کے دل کا
جیسے کچھ کہہ کے بھی ہونٹوں سے کہا کچھ بھی نہیں

O

اک پیکر جمال ابھی تک نظر میں ہے
محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے وہ گھر میں ہے

اک روشنی سی پھیلی ہوئی ہے درونِ دل
اک کہکشاں سی بکھری ہوئی چشمِ تر میں ہے

اک عالم سکوت ہے ایسا کہ یوں لگے
اک نغمگی سی جاگی ہوئی بام و در میں ہے

وہ تو چلی گئی مگر اس کے وجود کی
خوشبو بسی ہوئی مرے شام و سحر میں ہے

یہ واہمہ ہے یا کہ حقیقت، خبر نہیں
میں اس کا ہمسفر ہوں، وہ جس رہگزر میں ہے

وحدہٗ لاشریک

کتنی مشکل سے وقت کٹتا ہے
کچھ مرا دل ہی جانتا ہے اسے
ایک دن اک برس کی طرح طویل
اک برس اک صدی لگے اب تو
جب سے ہم بچھڑے زندگی کیا ہے
ایک بے معنی، اک فضول سی شے
اب تو جی چاہتا ہے، موت آ جائے
کتنی مشکل سے وقت کٹتا ہے

مجھ سے کہتے ہیں کچھ میرے ساتھی
کس لیے جی رہے ہو تم تنہا
زندگی ایک بار ملتی ہے
گھر بسا لو، کسی کو اپنا لو
لوگ تو چار چار کرتے ہیں
شادیاں بار بار کرتے ہیں
کوئی بیوہ ہی منتخب کر لو
مجھ سے کہتے ہیں کچھ میرے ساتھی

کاش وہ جانتے کہ میں کیا ہوں
جو بھی ہوں، میرا دل مسلماں ہے
'شِرک' کیسے قبول ہو کہ مرا
'وحدہ لا شریک' --- ایماں ہے

ویب سائٹ

'بلند' کی آرزو تھی یہ بھی
کہ اس کی امی نظر سے اوجھل نہ ہونے پائیں
وہ جب بھی چاہے
وہ سامنے ہوں
وہ اپنی امی کو چلتا پھرتا ہمیشہ دیکھے
وہ اپنے بچوں سے بات کرتی
اور ان کی باتوں پہ مسکراتی
کبھی کبھی قہقہے لگاتی
ہمیشہ اس کو دکھائی دے
گھر کے لوگ دیکھیں تو سب یہ سمجھیں
وہ آج بھی سب کے درمیاں ہیں
وہ زندہ ہیں اور سدا رہیں گی

سکندر علی وجد

ایک شاعر کہ بہت خوب تھا مخدوم کے بعد
وجد تھا اور مجھے محبوب تھا مخدوم کے بعد

وہ بھی اس شہر کا شاعر تھا جہاں کے تھے ولی
ہاں ولی اور سراج اور مرے داؤد وصفی

ہاں وہی شہر جسے کہتے ہیں اورنگ آباد
جہاں ایلورا، اجنتا کی رکھی ہے بنیاد

وہ ایلورا کہ اساطیر کا مخزن کہیے
وہ اجنتا جسے فردوس کا درپن کہیے

وہ جہاں مقبرۂ رابعہ دورانی ہے
ہاں وہی ہند کا جو تاج محل ثانی ہے

وہ جہاں آج تلک ہے مرا بچپن آباد
وہ جہاں مرے بزرگوں کے ہیں مدفن آباد

O

وجد تا عمر رہا اپنی روایت کا امیں
نظم ہو یا کہ غزل، شعر وہ کہتا تھا حسیں

اس نے ایلورا، اجنتا پہ لکھی جو نظمیں
اپنے فن کار کی پہچان بنی وہ نظمیں

حیدر آباد ہو موضوع کہ اورنگ آباد
وجد کے حق میں تھا ہر شہر خجستہ بنیاد

گولکنڈہ ہو کہ ہو قلعۂ دولت آباد
خلد آباد ۔۔۔ کہ دنیا میں ہے جنت آباد

ہو قطب شاہ کی یا بھاگ متی کی سوغات
ملک عنبر کا ہو اعجاز کہ لاری کی صفارت

چار مینار ہو یا جامعۂ عثمانیہ ہو
یا وہ آرام گہہ خواجۂ گلبرگہ ہو

اپنی تاریخ کا ہر نقش ابھارا اس نے
اپنی مٹی کا ہر اک قرض اتارا اس نے

O

شاد و اقبال ہوں، چکبست و ولی ہوں کہ نظیر
اپنے اشعار میں کھینچی ہے سبھی کی تصویر

چاند بی بی ہو، محمد علی جوہر کہ حُسین
فن بھی ملحوظ رکھا تیغ و قلم کے مابین

تھا وہ گاندھی کا پرستار تو مخدوم کا دوست
اشتراکی نہ تھا لیکن رہا مظلوم کا دوست

عدل و انصاف کا شیدائی شریفوں کا رفیق
صاحب علم، وطن دوست، رفیقوں کا رفیق

اس کے الفاظ میں ہر نقشِ کہن زندہ ہے
اس کے اشعار میں ہر صاحبِ فن زندہ ہے

عزیز قیسی

(تاریخ وفات ۔ ۳۰/ ستمبر ۱۹۹۲ء، بمبئی)

وہ دوست میرا، وہ یار میرا، عزیز قیسی
وہ شاعرِ طرح دار میرا، عزیز قیسی

وہ روپ بہروپ ہو کہ عکس و صدا کی دنیا
کہ حدِ ادراک سے پرے، ماورا کی دنیا
خیال تا حرف و رنگ، حسنِ ادا کی دنیا

وہ زندگی کے ہر ایک امکاں کا ترجماں تھا

خطابیہ ہو کہ خود کلامی، کوئی ہنر ہو
خواص کا فن ہو یا عوامی، کوئی ہنر ہو
ہر ایک نقش اُس کا تھا دوامی، کوئی ہنر ہو

ہر ایک صنفِ سخن میں اُس کا قلم رواں تھا

ہوئے ہیں ہر ایک دور میں غالب و یگانہ
یہ بات الگ ہے کہ اُن کو سمجھا نہیں زمانہ
عزیز قیسی کو بھی حقیقت میں کس نے جانا

زمیں یہ رہ کر بھی اپنی دنیا کا آسماں تھا

وہ شاعرِ طرح دار میرا، عزیز قیسی
وہ دوست میرا، وہ یار میرا، عزیز قیسی

(مطبوعہ 'تکمیل' بمبئی 'عزیز قیسی نمبر' اکتوبر ۹۲ء تا مارچ ۱۹۹۳ء)

موجد کا سرورق

(چاند کی دھوپ)

'نظر لگے نہ کہیں تیرے دست و بازو کو'
کہ میری آنکھ تو حیراں ہے آئینے کی طرح
یہ رنگ رنگ منقش، خیال کی دنیا
جو عکس عکس نمایاں ہے آئینے کی طرح

یہ معجزہ ہے کہ حسنِ کمالِ فن کاری
میں کیا کہوں، مجھے الفاظ ہی نہیں ملتے
جو کر سکیں تری توصیف، شعر کی صورت
وہ شعر، وہ مرے ہم راز ہی نہیں ملتے

میں کب سے دیکھ رہا ہوں سرِ ورق اپنا
یہ رنگ و نور کا اعجاز ہے کہ شعر کا روپ
میں تجھ میں دیکھ رہا ہوں جو اپنی ذات کا عکس
یہ تیرے چاند کی ضو ہے کہ میرے 'چاند کی دھوپ'

ابھی تو میری نظر ہے حجابِ رنگ میں گم

حمایت علی شاعر کی کتابیں

شاعری

1۔ آگ میں پھول (نظمیں، غزلیں، رباعیات)

2۔ مٹی کا قرض (ثلاثیاں، نظمیں، غزلیں)

3۔ تشنگی کا سفر (طویل افسانوی اور تمثیلی نظمیں اور غنائیے)

4۔ ہارون کی آواز (نظمیں، غزلیں اور ایک طویل نظم)

5۔ آئینہ در آئینہ (منظوم خودنوشت سوانح حیات)

6۔ حرف حرف روشنی (منتخب کلام)

7۔ عقیدت کا سفر (سات سو سال کی نعتیہ شاعری کا انتخاب)

8۔ تجھ کو معلوم نہیں (منتخب فلمی نغمات)

9۔ چاند کی دھوپ (تازہ کلام)

تراجم

بنگال سے کوریا تک (طویل افسانوی نظم)

1. *Flower in Flames* By Prof: Rajinder Singh Verma
(Panjabi University Patyala. India)
2. *Flute and Bugle* By Parkash Chander
(Editor. "Times of India" Delhi)

3۔ (ہندی) ترجمہ نگار: پروفیسر جی این نداف (مولانا آزاد کالج، اورنگ آباد)

4۔ (سندھی) گل باہ مہ۔ ترجمہ نگار: ایم ای عالمانی (حیدر آباد، سندھ)

حرف حرف روشنی (طویل نظم اور منتخب کلام)

1. *Every Word Aglow* By Prof: Rajinder Singh Verma

2۔حرف حرف روشنی (ہندی) ترجمہ نگار: بھگ تل (مہاراشٹر) Mr. C.Gaius Bhatul

3۔ شبد شبد پرکاش (ہندی) ترجمہ نگار: قاضی رئیس (مہاراشٹر)

نثری کتب

1۔ شیخ ایاز (سندھی کے جدید عہد آفریں شاعر کا مطالعہ)

2۔ شخص و عکس (مقالات، تبصرے اور مباحث)

3۔ کھلتے کنول سے لوگ (حیدر آباد دکن کے اہلِ قلم)

4۔ حمایت علی شاعر کے ڈرامے (ریڈیو اور اسٹیج ڈرامے)

تراجم

1۔ حمایت علی شاعر جا ڈراما (رشید احمد لاشاری، ایم بی انصاری، ممتاز مرزا، محمد اسحاق پیر سرہندی)

اختلافی مباحث

1۔ کسی چمن میں رہو تم (مرتب، قاصد عزیز اور نعمت اللہ)

2۔ احوالِ واقعی (مرتب، پروفیسر مرزا سلیم بیگ)

3۔ بارشِ سنگ سے بارشِ گل تک (مرتب، رعنا اقبال)

4۔ تثلیث یا ثلاثی (مرتب، رعنا اقبال)

حمایت علی شاعر...فن و شخصیت (مقالہ برائے پی ایچ ڈی)

مقالہ نگار: رعنا اقبال (ڈپٹی ڈائریکٹر ریسرچ و انفارمیشن، وفاقی اردو یونیورسٹی کراچی)

منتظرِ اشاعت

1۔ نقطۂ نظر (تحقیقی اور تجزیاتی مضامین)

2۔ مہران موج (سندھ کی عوامی کہانیوں کا تمثیلی روپ)

3۔ چنگاریاں (اردو شاعرات کا مطالعہ)

4۔ نئی پود (نئی نسل کے اہلِ قلم)